

اے لوگو کہ ہمیں نور خدا پاؤ گے پھر تمہیں طور سبلی کا بتایا ہم نے

رواۃ

یہ ہے

جلد ۳ بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۴ء نمبر ۴

فہرست مضامین

۱۳۱-۱۳۲	اسلام کی برکات - ۱۱۵-۱۲۲
۱۳۱-۱۳۲	ایمان موعظہ - ۱۲۲-۱۳۱
۱۵۰-۱۵۱	مضامین عصمت انبیاء پر - ۱۵۰-۱۵۱
۱۵۰-۱۵۱	مضامین عصمت انبیاء پر - ۱۵۰-۱۵۱

تقدیم خلیفہ گوردا سہرہ ۲۰-۱۰ اپریل ۱۹۰۴ء کو شائع ہوا - چند سالانہ اردو پرچہ ۴

تفسیر سورہ جمعہ :- ۸ صفحہ پر اعلیٰ درجہ کے کاغذ چھپی ہو اور اسکی چھپائی میں حکیم محمد حسین صاحب قریشی نے بڑی کوشش سے اہتمام کیا ہے کہ جیسا کہ مضامین عالی ہنر و سلیقہ کی چھپائی بھی اعلیٰ درجہ کی ہو۔ یہ تفسیر حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب کی بیان کردہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ کی ایک تقریر تھی جو پہلے اخبار الحکم کے مختلف نمبروں میں منظر عام پر آئی تھی۔ حکیم صاحب نے اسکو ایک جگہ اکٹھا کر کے ایک رسالہ کی صورت میں شائع کیا ہے۔ تفسیر کے متعلق صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ نور الدین کے مصنف کی تفسیر ہے جسے قرآن کریم سے سچا عشق اور جتنی روح کی یہ کلام پاک غذا ہے۔ چار آنہ قیمت پر حکیم محمد حسین صاحب قریشی پر و پرائیٹر رفیق الصحت دہلی کابلی مل لاہور سے مل سکتی ہے۔ زیادہ جلدوں کے خریداروں کے لئے رعایت بھی رکھی گئی ہے +

سحر الشہادین :- مصنفہ مولوی سید محمد حسن صاحب امر دہلی جس میں مولوی صاحب موصوف نے حضرت مولوی عبد اللطیف صاحب شہید مرحوم اور ان کے شاگرد میان عبد الرحمن صاحب شہید مرحوم کی شہادت کے متعلق قرآن کریم سے لطیف اشاروں کا استنباط کیا ہے ایک آنہ قیمت پر لبرلر فاؤنڈیشن مل سکتی ہے۔ ریو لو آف ریلیجز کے سالانہ نمبر :- سال ۱۹۳۱ء اور سال ۱۹۳۲ء کے دوبارہ چھپ گئے ہیں۔ جو صاحبان اسی سال سے یا سال گذشتہ کے اخیر سے خریدار ہیں ان کو چاہئے کہ گذشتہ پر جو نمبر اب ملے ان میں نہایت عجیب عجیب اور بالکل نئے مضامین حضرت اقدس کے قلم سے نکلے ہوئے ہیں جو اور کسی طرح دستیاب نہیں ہو سکتے علاوہ اسکے حضرت اقدس کا ارشاد بھی ہے کہ ہر ایک بیعت کنندہ میگزین کی رعایت پر پوری کوشش کرے اور اس کی اعانت کی سب سے عمدہ سبیل یہی ہے کہ اسکی خریداری بڑھائی جاوے۔ تا مضامین کی اشاعت بھی کثرت سے ہو۔ ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء کے رسالوں کو ہم الگ الگ جلدوں میں بھی منظر بند ہونے والے ہیں تاکہ جو صاحب پسند کریں وہ جلد جلد ہر سال کی منگوا سکیں اس میں خاص طور پر رعایت کی جاوے گی یعنی جلد نہایت عمدہ بندھوائی جاوے گی اور لاگت صرف ۴ روپے اور لکھی سطر جبر صرف ۵ کے خرچ سے ایک پیش بہانہ خیر مضامین کا ہاتھ میں آسکتا ہے۔ محصلہ اک بھی اسی قیمت میں شامل ہوگا جن خریداروں سے سابقہ نمبر گم ہو چکے ہوں یا پرانے ہو کر خراب ہو گئے ہوں۔ ان کے لئے پوری جلد کا خریدنا نہایت مفید ہوگا۔ جو صاحب اس طرح جلد ۱۹۳۲ء و ۱۹۳۳ء کی جلدیں منگوانا چاہتے ہو وہ ہمیں ابھی اطلاع دین تاکہ کافی مقدار جلدوں کی ہم تیار کرادیں +

اعلان [بعض احباب کی طرف ابھی تک سال گذشتہ کا بقایا چلا جاتا ہے ان کی خدمت میں اتنا اس ہے کہ جلدی ادا کر کے حساب مباحق کریں اور اس سال کا چندہ بھی پیشگی آنا چاہئے جو جلد خود بذریعہ منی آرڈر اپنی رقوم ارسال کر دیں یا خود وی پی کی اجازت دیدیں وہ دفتر کو بہت سی خط و کتابت سے بچا سکتے ہیں امید ہے کہ تمام ہی خوانان سلسلہ اس طریق کو اختیار کر کے اپنی اپنی رقوم دفتر میں بھیج دیں گے +

منیجر ریو لو آف ریلیجز قاریان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

اسلام کی برکات

(از حضرت اقدس مہینہ موعود علیہ السلام)

اس جگہ ہم کسی قدر اس بات کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام کے ثمرات کیا ہیں سو وہ منہج ہو کہ جب کوئی اپنے مولے کا سچا طالب کامل طور پر اسلام پر قائم ہو جائے اور نہ کسی تکلف اور بناوٹ سے بلکہ طبعی طور پر خدا تعالیٰ کی راہوں میں ہر ایک ثبوت اُس کے کام میں لگ جائے تو آخری نتیجہ اُس کی اس حالت کا یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہدایت کے اعلیٰ تجلیات تمام حجب سے مبرا ہو کر اس کی طرف رخ کرتے ہیں اور طرح طرح کے برکات اُس پر نازل ہوتے ہیں اور وہ احکام اور وہ عقاید جو محض ایمان اور سماع کے طور پر قبول کئے گئے تھے اب بذریعہ مکاشفات صحیحہ اور الہامات یقینیہ قطعیہ مشہود اور محسوس طور پر کھولے جاتے ہیں۔ اور مغلفات شرع اور دین کے اور اسرار و رُسوسہ ملت جنیفہ کے اُس پر شکست ہو جاتے ہیں اور ملکوت الہی کا اس کو سیر کرایا جاتا ہے تا وہ یقین اور معرفت میں مرتبہ کامل حاصل کرے اور اُس کی زبان اور اُس کے بیان اور تمام افعال اور اقوال اور حرکات سکنا میں ایک برکت رکھی جاتی ہے اور ایک فوق العادہ شجاعت اور استقامت اور بہمت اس کو عطا کی جاتی ہے اور شرح صدر کا ایک اعلیٰ مقام اس کو عنایت کیا جاتا ہے اور شہریت کے حجابوں کی تنگ دلی اور خست اور بخل اور بار بار کی لغزش اور تنگ چستی اور شہوات اور ردائے اخلاق اور ہر ایک قسم کی نفسانی تاریکی نکلی اُس سے دور کر کے اُس کی جگہ ربانی اخلاق کا نور بھردیا جاتا ہے تب وہ بالکل مبدل ہو کر ایک نئی پیدائش کا پیرا بیہن لیتا ہے اور خدا تعالیٰ سے مستنار اور خدا تعالیٰ سے دیکھتا اور خدا تعالیٰ کے ساتھ حرکت کرتا اور خدا تعالیٰ کے ساتھ ٹھہرتا، اسکا غضب خفا کا غضب اور اس کا رحم خدا تعالیٰ کا رحم ہو جاتا ہے اور اس درجہ میں اس کی دعائیں بطور اصطفاء کے منظور ہوتی ہیں نہ بطور ابتلا کے اور وہ زمین پر حجت اللہ اور امان اللہ ہوتا ہے۔ اور آسمان پر اُس کے وجود سے خوشی کی جاتی ہے اور اعلیٰ سے اعلیٰ عطیہ جو اس کو عطا ہوتا ہے مکالمات الہیہ

اور مخاطبات حضرت یزدانی ہیں جو بغیر شک اور شبہ اور کسی غبار کے چاند کے نور کی طرح اس کے دل پر نازل ہونے لگتے ہیں اور ایک شدید لاشرذات اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور طمانیت اور تسلی اور سکینت بخشے ہیں اور اس کلام اور الہام میں فرق یہ کہ الہام کا چشمہ تو گویا ہر وقت مقرب لوگوں میں بہتا ہے اور وہ روح القدس کے پلائے بولتے اور روح القدس کے دکھائے دیکھتے اور روح القدس کے سنائے سنتے اور ان کے تمام ارادے روح القدس کے نفع سے ہی پیدا ہوتے ہیں اور یہ بات سچ اور بالکل سچ ہے کہ وہ ظلی طور پر اس ہیت کا مصداق ہوتے ہیں و ما یطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی لیکن مکالمہ الہیہ ایک الگ امر ہے اور وہ یہ ہے کہ وحی متلو کی طرح خدا تعالیٰ کا کلام ان پر نازل ہوتا ہے اور وہ اپنے سوالات کا خدا تعالیٰ سے ایسا جواب پاتے ہیں کہ جیسا ایک دوست دوست کو جواب دیتا ہے اور اس کلام کی اگر ہم تعریف کریں تو صرف اس قدر کر سکتے ہیں کہ وہ اللہ جل شانہ کی ایک تجلی خاص کا نام ہے جو ذریعہ اسکے مقرب فرشتہ کے ظہور میں آتی ہے۔ اور اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ نادعل کے قبول ہونے سے اطلاع دی جائے یا کوئی نئی اور مخفی بات بتائی جائے یا نبی کی خبروں پر آگاہی دی جائے یا کسی امر میں خدا تعالیٰ کی مرضی اور عدم مرضی پر مطلع کیا جائے یا کسی اور قسم کے واقعات میں یقین اور معرفت کے مرتبہ تک پہنچایا جائے بہر حال یہ وحی ایک الہی آواز ہے جو معرفت اور اطمینان سے رنگین کر نیکی لئے متجانب اللہ پیرائہ مکالمہ مخاطبہ میں ظہور پذیر ہوتی ہے اور اس سے بڑھ کر اس کی کیفیت بیان کرنا غیر ممکن ہے کہ وہ صرف الہی تحریک اور ربانی نفع سے بغیر کسی قسم کے فکر اور تدبر اور خوض اور غور اور اپنے نفس کے دخل کی خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قدرتی ندا ہے جو لذیذ اور پر برکت الفاظ پر محسوس ہوتی اور اپنے اندر ایک ربانی تجلی اور الہی صولت رکھتی ہے۔

اس جگہ ہر ایک سچے طالب کے دل میں بالطبع یہ سوال پیدا ہو گا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے کہ یہ مرتبہ عالیہ مکالمہ الہیہ حاصل کر سکوں پس اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک نئی ہستی ہے جس میں نئی قومیں نئی طاقتیں نئی زندگی عطا کی جاتی ہے اور نئی ہستی پہلی ہستی کے فنا کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور جب پہلی ہستی ایک سچی اور حقیقی قربانی کے ذریعہ سے جو فدائے نفس اور فدائے عزت و مال و دیگر لوازم نفسانیت سے مراد ہو بکلی جالی رہے تو یہ دوسری ہستی فی الفور اس کی جگہ لے لیتی ہے اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ پہلی ہستی کے دور ہونے کے نشان کیا ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ جب پہلے خواص اور جذبات دور ہو کر نئے خواص اور نئے جذبات پیدا ہوں اور اپنی فطرت میں ایک انقلاب عظیم نظر آوے اور تمام حالتیں کیا اخلاقی اور کیا ایمانی اور کیا تعلیمی ایسی صفت بدلی ہوئی نظر آویں کہ گویا ان پر اب رنگ ہی اور ہے غرض جب اپنے نفس پر نظر ڈالے تو اپنے تئیں ایک نیا آدمی پاوے اور ایسا ہی خدا تعالیٰ بھی نیا ہی دکھائی دے اور شکر اور صبر اور یاد الہی میں نئی لذتیں پیدا ہو جائیں جن کی پہلے کچھ بھی خبر نہیں تھی اور یہی طور پر محسوس ہو کہ اب اپنا نفس اپنے رب پر بکلی متوکل اور بغیر سے بکلی لاپرواہ ہے اور تصور وجود حضرت باری تعالیٰ اس قدر اس کے دل پر استیلا کر گیا ہے کہ اب اس کی نظر شہود میں وجود

غیر کفلی معدوم ہے اور تمام اسباب پہنچ اور ذلیل اور بقدر نظر آتے ہیں اور صدق اور وفا کا مادہ استفادہ میں آگیا ہے کہ ہر ایک مصیبت کا تصور کرنے سے وہ مصیبت آسان معلوم ہوتی ہے اور نہ صرف تصور بلکہ مصائب کے وارد ہونے سے بھی ہر ایک درد رنگ لذت نظر آتا ہے تو جب یہ تمام علامات پیدا ہو جائیں تو سمجھنا چاہئے کہ اپنی پہلی ہستی پر موت آگئی ہے۔

اس موت کے پیدا ہو جانے سے عجیب طور کی قوتیں خدا تعالیٰ کی راہ میں پیدا ہو جاتی ہیں وہ باتیں جو دوسرے کہتے ہیں پر کرتے نہیں اور وہ راہ میں جو دوسرے دیکھتے ہیں پر چلتے نہیں اور وہ بوجھ جو دوسرے جاچکتے ہیں پر اٹھاتے نہیں ان سب امور شاکہ کی اس کو توفیق دیجائی ہے کیونکہ وہ اپنی قوت سے نہیں بلکہ ایک زبردست الہی طاقت اس کی اعانت اور امداد میں ہوتی ہے جو پہاڑوں سے زیادہ اسکو استحکام کی رو سے کر دیتی ہے اور ایک وفادار دل اس کو بخشی ہے تب خدا تعالیٰ کے جلال کے لئے وہ کام اس سے صادر ہوتے ہیں اور وہ صدق کی باتیں ظہور میں آتی ہیں کہ انسان کیا چیز ہے اور آواز کیا حقیقت ہے کہ خود بخود ان کو انجام دیکے وہ کبھی غیر سے منقطع ہو جاتا ہے اور ماسوا اللہ سے دونوں ہاتھ اٹھالیتا ہے اور سب تفاوتوں اور فرقوں کو درمیان سے دور کر دیتا ہے اور وہ آزمایا جاتا اور دکھ دیا جاتا ہے اور طرح طرح کے امتحانات اسکو پیش آتے ہیں اور ایسے مصائب اور تکالیف اسپر پڑتی ہیں کہ اگر وہ پہاڑوں پر پڑتین تو انہیں نابود کر دیتین اور اگر وہ آفتاب اور مانتاب پر وارد ہوتین تو وہ بھی تاریک ہو جاتے لیکن وہ ثابت قدم رہتا ہے اور وہ تمام سختیوں کو بڑی انشراح صدر سے برداشت کر لیتا ہے اور اگر وہ ماون حوادث میں پیسا بھی جلائے اور غبار سا کیا جائے تب بھی بغیرانی مع اللہ کے اور کوئی آواز اسکے اندر سے نہیں آتی جب کسی کی حالت اس نوبت تک پہنچ جائے تو اسکا معاملہ اس عالم سے وراء الواء ہو جاتا ہے اور ان تمام ہدایتوں اور مقامات عالیہ کو ظلی طور پر پالیتا ہے جو اس سے پہلے نبیوں اور رسولوں کو ملے تھے اور انبیاء اور رسل کا وارث اور نایب ہو جاتا ہے وہ حقیقت جو انبیاء میں معجزہ کے نام سے موسوم ہوتی ہے وہ اس میں کرامت کے نام سے ظاہر ہو جاتی ہے اور وہی حقیقت جو انبیاء میں عصمت کے نام سے نامزد کی جاتی ہے اس میں محفوظیت کے نام سے پکاری جاتی ہے اور وہی حقیقت جو انبیاء میں نبوت کے نام سے بولی جاتی ہے اس میں محذویت کے پیرائے میں ظہور پکڑتی ہے حقیقت ایک ہی ہے لیکن باعث شدت اور ضعف رنگ کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ملفوظات ہمارا کلاشت فرما رہے ہیں کہ محدث نبی بالقوہ ہوتا ہے اور اگر اب نبوت سرود نہ ہوتا تو ہر ایک محدث اپنے وجود میں قوت اور استعداد نبی ہو جانے کی رکھتا تھا اور اسی قوت اور استعداد کے لحاظ سے محدث کا محل نبی پر جائزہ دینے کہہ سکتے ہیں کہ محدث نبی جیسا کہ کہہ سکتے ہیں کہ العنب خمر نظر علی القوۃ والاستعداد و مثل ہذا المحل شائع متعارف فی عجم ارات القوم وقد جرت المحاورات علی ذالک کما لا یخفی علی کل ذی

عالم مطلع علی کتب الادب والکلام والنصوف۔ اور اسی حمل کی طرف اشارہ ہے جو اللہ جل شانہ نے اس قرأت کو جو ماریسلنا من رسول ولا نبی ولا محدث ہے مختصر کر کے قرأت ثانی میں صرف یہ الفاظ کافی قرار دیے کہ و ماریسلنا من رسول ولا نبی۔

اور اس سوال کا جواب کہ جس شخص کو شرف مکالمہ الہیہ کا نصیب ہو وہ کب اور کن حالات میں اپنا کلام الہی کا زیادہ تر مستحق ہوتا ہے۔ یہ ہے کہ اکثر شہید اور مصائب کے نزول کے وقت اولیاء اللہ پر کلام الہی نازل ہوتا ہے تا ان کی تسلی اور تقویت کا موجب ہو جب وہ نزول آفات اور حوادث فوق الطاق سے نہایت شکستہ اور دردمند اور کوفتہ ہو جاتے ہیں اور حزن اور قلق انتہا کو پہنچ جاتا ہے تب خدا تعالیٰ کی صفت کلام ان کے دل پر تجلی ہوتی ہے اور کلمات طیبہ الہیہ سے ان کو سکینت اور تسلی بخشتی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم کی انکساری حالت الہامی آگ کے فروختہ ہو نیکی کے لئے بہت ہی دخل رکھتی ہے جب ایک شرف یاب مکالمہ الہی کمال درمند اور مضطرب ہوتا ہے اور اس کی توجہ درد اور حزن سے ملی ہوئی ایک تار بندہ جانے کی حالت تک پہنچ جاتی ہے اور وفاداری اور تضرع اور صدق کے ساتھ ربوبیت کی شعاؤں کے نیچے جا پڑتی ہے تو یک دفعہ ربوبیت کی ایک شعلہ اپنی ربوبیت کی تجلی کے ساتھ اس پر گرتی ہے اور اس کو روشن کر دیتی ہے اور وہ روشنی بھی کلام کی صورت میں اور کبھی کشف کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور جوع کر نیلے دل کو اس فیتلہ کی طرح جو آگ کے نزدیک پہنچ جاتا ہے اپنے ربانی نور سے منور کر دیتی ہے کیا یہ بدیہی طور پر نہیں ہنیں ہوتا جو ایک فیتلہ جو یا کبیرہ تیل اپنے اندر رکھتا ہے جب آگ کے نزدیک کیا جاتا ہے تو وہ فی الفور صورت بدل لیتا ہے اور آگ کی صحبت سے واپس آتے وقت ایک چمکتا ہوا شعلہ اپنے ساتھ لاتا ہے ویسے ایک عارف اور کامل انسان اس وقت مکالمہ الہیہ کے لئے نہایت ہی استعداد قریب رکھتا ہے جب وہ درمند ہو کر آستانہ الہی پر گرتا ہے اور ہر ایک طرف سے منقطع ہو کر اس موافقت اور مصافقت کو جو اسکے رگ ریشہ میں رچی ہوئی ہے ایک تازہ اور نیا جوش دیتا ہے اور درناک روح کے ساتھ خدا تعالیٰ کی مدد کے لئے التجا کرتا ہے تب خدا تعالیٰ اس کی سنتا ہے اور اسے تودہ اور محبت کے ساتھ جواب دیتا ہے اور اس پر رحم کرتا ہے اور اس کی دعاؤں کو اکثر قبول فرماتا ہے آج کل کے بعض محدثانہ خیال والے جو یورپ کے فلسفہ اور نیچر کے تابع ہو گئے ہیں اور اجابت اور قبولیت دعا سے منکر ہیں ان کے یہ خیالات سراسر باطل ہیں کہ قبولیت دعا کچھ چیز نہیں اور تحصیل مرادات کے لئے دعا کرنا نہ کرنا برابر ہے یا درکھنا چاہئے کہ مومن پر خدا تعالیٰ کے فضل و نعمان ہیں یہ ایک بڑا بھاری فضل ہوتا ہے جو اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور اس کی درخواستیں گویا ہی شکل کاموں کے متعلق ہوں اکثر یہ پائیہ اجابت پہنچتے ہیں اور دراصل ولایت کی حقیقت یہی ہے جو ایسا قرب اور وجاہت حاصل ہو جائے جو یہ نسبت اور دیکھے بہت دعائیں قبول ہوں کیونکہ ولی خدا تعالیٰ کا دوست ہوتا ہے اور خواہر دوستی کی یہی نشانی ہے کہ اکثر درخواستیں اس کی قبول کی جائیں پس جو شخص کہتا ہے کہ عاقبول ہونیکے اس سے زیادہ

اور کچھ معنی نہیں کہ خدا تعالیٰ تک اس کی آواز پہنچ جاتی ہے اور خدا تعالیٰ جان لیتا ہو کہ اس نے دعا کی ہے ایسا شخص مسخرہ ہو اور خدا تعالیٰ کی کتاب اور اسکے دین سے محض بیگانہ ہے اگر صرف دعا کا سن لینا حاجت میں داخل ہو اور اس سے زیادہ کوئی بات نہیں تو یہ ہر ایک کہہ سکتا ہو کہ میری دعا رد نہیں ہوئی کیونکہ اگر اجابت کے مطلب صرف اطلاع بردعا ہے تو پھر کون شخص جس کی دعا سے خدا تعالیٰ بے خبر رہتا ہے ظاہر ہے کہ اللہ جل شانہ بیاعت اپنی صفت علیم اور خبیر اور سمیع ہو نیکی ہر ایک بات کو سنتا ہے اور ہر ایک شخص کی آواز اس تک پہنچ جاتی ہے پھر ایسے سننے میں مومن اور غیر مومن کی دعائیں فرق کیا ہو اور یہ کہنا کہ مومن کو لبیک کہتا ہے اور دوسرے کو نہیں یہ کیونکر ثابت ہو جبکہ اصل محرومی میں مومن اور غیر مومن دونوں مساوی ہیں تو ایک کا فر بھی کہہ سکتا ہے کہ میری عاپر لبیک کہا گیا ہے تو اب اس کا کون فیصلہ کرے کہ نہیں کہا گیا اور ایسی ہی لبیک کا فائدہ کیا بلکہ مومن کی دعا ضرور قبول کی جاتی ہو اور اگر قبول کرتا مومن کے حق میں بہتر نہ ہو تو کم سے کم یہ ہوتا ہے کہ مومن کو نرمی اور محبت کی راہ سے بذریعہ مجتہان مکالمہ کے اس پر اطلاع دی جاتی ہو خدا تعالیٰ جو تمام رحمتوں کا سرچشمہ ہے سب سے زیادہ رحمت مومن پر ہی کرتا ہے اور ہر ایک مصیبت کے وقت اسے سنھالتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے اور اگر تمام دنیا ایک طرف ہو اور مومن ایک طرف توفیق مومن ہی کو دیتا ہے اور اس کی عمر اور عافیت کے دن بڑھاتا ہے دشمن کہتا ہے کہ وہ ہلاک ہو جائے اور ناپید ہو جائے پر وہ دشمن کو ہی ہلاک کرتا ہے اور اس کی بددعا میں اسی کے سر پر پڑتا ہے پر مومن کی دعا کو قبول کر لیتا ہے اور اس کی دعاؤں کو قبول کر کے وہ خوارق دکھلاتا ہے جسے دنیا حیران ہو جاتی ہے کرامت کیا چیز ہے؟ مومن کی دعا جو قبول ہو کر ایک نہایت مشکل اور بعید از عقل کام کو پورا کر دیتی ہے اور تمام خلقت کو ایک حیرت میں ڈالتی ہو پھر کیونکر کہا جائے کہ دعا قبول نہیں ہوتی نادان ہو وہ شخص جو ایسا خیال کرتا ہے بیوقوف ہو وہ فلسفی جو ایسا سمجھتا ہے یہ دعوے بے دلیل نہیں اس پر میرے پاس کھلے دلائل اور نہایت روشن براین ہیں پر جو اپنی آنکھوں پر ٹپی باندھتا ہے تا آفتاب نظر نہ آوے وہ کیونکر روشنی کو دیکھ سکتا ہے؟

اب یہ بھی یاد رہے کہ وہ اسلام جس کی خوبیاں ہم بیان کر چکے ہیں وہ ایسی چیز نہیں جو جسکے ہو کیلئے ہم صرف گذشتہ کا حوالہ دیں اور محض قبر و نیکے نشان دکھلائیں اسلام مردہ نہ ہے نہ نہیں تیار کیا جا سکے سب برکات پیچھے رہ گئی ہیں اور آگے خاتمہ اسلام میں بڑی خوبی ہی ہے کہ اس کی برکات ہمیشہ سکے ساتھ ہیں اور وہ صرف گذشتہ قصود کا سبق نہیں دیتا بلکہ موجودہ برکات پیش کرتا ہے دنیا کو برکات اور آسمانی نشانوں کی ہمیشہ ضرورت ہو یہ نہیں کہ پہلے تھی اور اب نہیں ہے چھینٹا اور عاجز انسان جو اندھے کی طرح پیدا ہوتا ہے ہمیشہ اس بات محتاج ہے کہ آسمانی بادشاہت کا اسکو کچھ پتہ نہ ہو اور وہ خدا جسکے وجود پر ایمان ہو اسکی ہستی اور قدرت کے کچھ آثار بھی ظاہر ہوں پہلے زمانہ کے نشان دوسرے زمانہ کیلئے کافی نہیں ہو سکتی کیونکہ خبر معائنہ کی مانند نہیں ہو سکتی اور منذ زمانہ

سے خیرین ایک قصہ کے رنگ میں ہو جاتی ہیں ہر ایک نئی صدی جو آتی ہے تو گویا ایک نئی دنیا شروع ہوتی ہے اسلئے اسلام کا خدا جو سچا خدا ہے ہر ایک نئی دنیا کیلئے نئے نشان دکھلاتا ہے اور ہر ایک صدی کے سربراہ اور خاصکر ایسی صدی کے سربراہ جو ایمان اور دیانت سے دور پڑ گئی ہو اور بہت سی تاریکیاں پھو اندر رکھتی ہے ایک قائم مقام نبی کا پیدا کر دیتا ہے جسکے آئینہ فطرت میں نبی کی شکل ظاہر ہوتی ہے اور وہ قائم مقام نبی متبوع کے کمالات کو اپنے وجود کے توسط سے لوگوں کو دکھلاتا ہے اور تمام مخالفوں کو سچائی اور حقیقت نمائی اور پردہ درمی کے رو سے ملزم کرتا ہے۔ سچائی کے رو سے اس طرح کہ وہ سچے نبی پر ایمان نہ لائے۔ پس وہ دکھلاتا ہے کہ وہ نبی سچا تھا اور اس کی سچائی پر آسمانی نشان یہ ہیں اور حقیقت نمائی کی رو سے اس طرح کہ اُس نبی متبوع کے تمام مغلقات دین کا حل کر کے دکھلا دیتا ہے اور تمام شبہات اور اعتراضات کا استیصال کر دیتا ہے۔ اور پردہ دربی کے رو سے اس طرح کہ وہ مخالفوں کو تمام پردے پھاڑ دیتا ہے اور دنیا کو دکھلا دیتا ہے کہ وہ کیسے بیوقوف اور معارف دین نہ سمجھنے والے اور غفلت اور جہالت اور تاریکی میں گرنیوالے اور جناب الہی سے دور و مہجور ہیں۔ اس کمال کا آدمی ہمیشہ مکالمہ الہیہ کا خلعت پا کر آتا ہے اور زکی اور مبارک اور مستجاب الدعوات ہوتا ہے اور نہایت صفائی سے ان باتوں کو ثابت کر کے دکھلا دیتا ہے کہ خدا ہے اور وہ قادر اور بصیر اور سمیع اور علیم اور مدبر بالا ارادہ ہے اور درحقیقت دعائیں قبول ہوتی ہیں اور اہل اللہ سے خارق ظاہر ہوتے ہیں پس صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ آپ ہی معرفت الہیہ سے مالا مال ہے بلکہ اسکے زمانہ میں دنیا کا ایمان عام طور پر دو سرانگ پکڑ لیتا ہے اور وہ تمام خارق جن سے دنیا کے لوگ منکر تھے اور اپرہنستے تھے اور اُن کو خلافت فلسفہ اور نیچر سمجھتے تھے یا اگر بہت نرمی کرتے تھے تو بطور ایک قصہ اور کہانی کے انکو مانتے تھے اب اُسکے آئینے اور اُسکے عجائبات ظاہر ہوئیے نہ صرف قبول ہی کرتے ہیں بلکہ اپنی پہلی حالت پیرو تے اور تاسف کرتے ہیں کہ وہ کیسی نادانی تھی جسکو ہم عقلمندی سمجھتے تھے اور کیسی بیوقوفی تھی جس کو ہم علم اور حکمت اور قانون قدرت خیال کرتے تھے غرض وہ خلق اللہ پر ایک شعلہ کی طرح گرتا ہے اور سب کو کم و بیش حسب استعدادات مختلف اپنے رنگ میں لے آتا ہے اگرچہ وہ اوایل میں آزمایا جاتا اور تکالیف میں ڈالا جاتا ہے اور لوگ طرح طرح کے دکھ اسکو دیتے اور طرح طرح کی باتیں اسکے حق میں کہتے ہیں اور انواع اقسام کے طریقوں سے اُسکو ستاتے اور اسکی ذلت ثابت کرنا چاہتے ہیں لیکن چونکہ وہ بران حق اپنے ساتھ رکھتا ہے اسلئے آخر ان سب پر غالب آتا ہے اور اس کی سچائی کی کرنیں بڑے زور سے دنیا میں بھیلی ہیں اور جب خدا تینے دیکھتا ہے کہ زمین اس کی صداقت پر گواہی نہیں دیتی تب آسمان والوں کو حکم کرتا ہے کہ وہ گواہی دین سوا اسکے لہذا ایک روشن گواہی خوارق کے رنگ میں دعاؤں کے قبول ہونیکے رنگ میں اور حقائق و معارف کے رنگ میں آسمان سے اترتی ہے اور وہ گواہی

بہرون اور گولگون اور اندھون تک پہنچتی ہو اور ہمیشہ ہین جو اس وقت حق اور سچائی کی طرف کھینچے جاتے ہین مگر مبارک وہ جو پہلے سے قبول کر لیتے ہین کیونکہ انکو بوجہ نیک ظن اور قوت ایمان کے صدیقون کی نشان کا ایک حصہ ملتا ہو اور یہ اسکا فضل ہو جس پر چلے کرے۔

اب تمام حجت کے لٹو مین یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ اسی کے موافق جو ابھی مین نے ذکر کیا ہو خدا تعالیٰ نے اس زمانہ کو تاریک پاکر اور دنیا کو غفلت اور کفر اور شرک مین غرق دیکھ کر اور ایمان اور صدق اور تقویٰ اور راستبازی کو زایل ہوتے ہوئے مشاہدہ کر کے مجھے بھیجا ہے کہ تادہ دوبارہ دنیا مین علمی اور عملی اور اخلاقی اور ایمانی سچائی کو قائم کرے اور تا اسلام کو ان لوگوں کے حملہ سے بچائے جو فلسفیت اور تخریج اور اباحت اور شرک اور دہریت کے لباس مین اس الہی بلغ کو کچھ نقصان پہنچانا چاہتے ہین سولے حق کے طالبو سوچو دیکھو کیا یہ وقت وہی وقت نہیں ہو جس مین اسلام کے لئے آسمانی مدد کی ضرورت تھی کیا ابھی تک تمپر یہ ثابت نہیں ہوا کہ گذشتہ صدی مین جو تیرہوین صدی تھی کیا کیا صدات اسلام پر پہنچ گئے اور ضلالت کے پھیلنے سے کیا کیا ناقابل برداشت زخم ہین اٹھانے پڑے کیا ابھی تک تم نے معلوم نہیں کیا کہ کن کن آفات نے اسلام کو گھیرا ہوا ہے کیا اس وقت تم کو یہ خبر نہیں ملی کہ کس قدر لوگ اسلام سے نکل گئے کس قدر عیسائیون مین جا ملے کس قدر دہریہ اور طبعیہ ہو گئے اور کس قدر شرک اور بدعت نے توحید اور سنت کی جگہ لے لی اور کس قدر اسلام کے رد کیلئے کتا مین لکھی گئین اور دنیا مین شائع کی گئین سو تم اب سوچو کہو کہ کیا اب ضرور نہ تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس صدی پر کوئی ایسا شخص بھیجا جاتا جو بیرونی حملوں کا مقابلہ کرتا اگر ضرور تھا تو تم دانستہ الہی نعمت کو رد مت کرو اور اس شخص سے منحرف مت ہو جاؤ جسکا آنا اس صدی پر اس صدی کے مناسب حال ضروری تھا اور جس کی ابتدا سے نبی کریم نے خبر دی تھی اور اہل اللہ نے اپنے الہامات اور مکاشفات سے اس کی نسبت لکھا تھا ذرہ نظر اٹھا کر دیکھو کہ اسلام کو کس درجہ پر بلاؤن نے مجبور کر لیا ہو اور کیسے چاروں طرف سے اسلام پر مخالفانہ تیر چھوٹ رہے ہین اور کیسے کروڑوں نفسوں پر اس زہر نے اثر کر دیا ہو یہ علمی طوفان یہ عقلی طوفان یہ فلسفی طوفان یہ مکر اور منصوبوں کا طوفان یہ فسق اور فجور کا طوفان یہ اباحت اور دہریت کا طوفان یہ شرک اور بدعت کا طوفان جو ہر ان سب طوفانوں کو ذرہ نہکھین کھو کہ دیکھو اور اگر طاقت ہے تو ان مجموعہ طوفانات کی کوئی پہلے زمانہ مین نظیر بیان کرو اور ایمانا کہو کہ حضرت آدم سے لیکر تا مین دم اسکی کوئی نظیر بھی ہے اور اگر نظیر نہیں تو خدا تعالیٰ سے ڈرو اور صدیقون کو وہی کہتے ہو کہ مین واقعات موجودہ کو نظر انداز مت کرو تا تمپر کھلی جائے کہ یہ تمام ضلالت ہی سخت و جاہلیت ہے جس سے ہر ایک نبی و رانا ایسا کہ جسکی بنیاد اس دنیا مین عیسائی مذہب اور عیسائی قوم نے ڈالی جسکے لئے ضرور تھا کہ مجد و وقت مسیح کے نام پر آوے کیونکہ بنیاد فساد مسیح کی ہی امت ہے اور میرے پرکشٹایہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ زہر ناک ہوا جو عیسائی قوم کو دنیا مین پھیل گئی حضرت عیسیٰ کو اسکی خبر دی گئی تب انکی روح روحانی نزول کیلئے حرکت مین آئی اور اسے خوش مین

اگر اور اپنی اُمت کو ہلاکت کا مفسدہ پر داز پاکر زمین پر اپنا قائم مقام اور شبیہ چاہا جو اسکا ایسا ہم طبع ہو کہ گویا وہی ہو سو اُس کو خدا تعالیٰ نے وعدہ کے موافق ایک شبیہ عطا کیا اور اس میں مسیح کی ہمت اور سیرت اور روحانیت نازل ہوئی اور اس میں اور مسیح میں بشدت اتصال کیا گیا گویا وہ ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے بنائے گئے اور مسیح کی توجہات نے اس کے دل کو اپنا قرار گاہ بنایا اور اس میں ہو کر اپنا تقاضا پورا کرنا چاہا پس ان معنوں میں مسیح کا وجود مسیح کا وجود دھڑھل اور مسیح کی کچھش ارادات اس میں نازل ہوئے جن کا نزول الہامی استعارات میں مسیح کا نزول قرار دیا گیا یا در ہے کہ یہ ایک عرفانی بھید ہے کہ بعض گزشتہ کاملون کا اُن بعض پرچین پر زندہ موجود ہوں عکس توجہ پڑ کر اور رتخاد خیالات ہو کر ایسا تعلق ہو جاتا ہے کہ وہ اُن کے ظہور کو اپنا ظہور سمجھ لیتے ہیں اور اُن کے ارادات جیسے آسمان پر اُن کے دل میں پیدا ہوتے ہیں ویسا ہی باذنہ تعالیٰ اس کے دل میں جو پڑے پر ہے پیدا ہو جاتے ہیں اور ایسی روح جسکی حقیقت کو اُس آدمی سے جو زمین پر ہے متحد کیا جاتا ہے ایک ایسا بلکہ رکھتی ہے کہ جب چاہے پورے طور پر اپنے ارادات اس میں ڈالتی رہے اور اُن ارادات کو خدا تعالیٰ اُس دل سے اس دل میں رکھ دیتا ہو غرض یہ سنت اللہ ہے کہ کبھی گزشتہ انبیاء و اولیاء اس طور سے نزول فرماتے ہیں اور ایلیا نبی نے یحییٰ نبی میں ہو کر اسی طور سے نزول کیا تھا۔ سو مسیح کے نزول کی سچی حقیقت یہی ہے

ایسا موتے

مسیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ

یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے جو قدیم سے اسی طرح چلی آتی ہے کہ وہ انبیاء اور مامورین کو ایسے وقت میں مبعوث فرماتا ہے جب دنیا میں گناہ اور غفلت اور شرک اور کفر کی موت واقع ہو چکی ہو تو ہی ہوا اور پھر وہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ مرد و نکور و حافی زندگی عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ مروجہ انجیلوں میں بعض فقرات ایسے پائے جاتے ہیں جن سے حضرت مسیح کی طرف اسی قسم کے جوتے ایسا کا دعویٰ منسوب کیا گیا ہے اور قرآن کریم تو بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض اسی امر کو ظہور فرماتا ہے کہ تا آپ کے ذریعہ سے مرد و نکور ہمیشہ کی زندگی دیا دے بلکہ اسی امر کو آنحضرت کی صداقت اور فضیلت کی ایک دلیل ظہور فرماتا ہے کہ آپ ایسے وقت میں آئے جب تمام زمین مر چکی تھی اور ایسے وقت میں بلائے گئے جب کامل طور پر اپنے پیروؤں کو وہ زندگی عطا فرما چکے تھے۔

یوحنا کی انجیل میں حضرت مسیح کا یہ قول لکھا ہے کہ قیامت اور زندگی میں ہی ہوں جو مجھ پر ایمان لاکو

اگرچہ وہ مر گیا ہو تو بھی جسے گا۔ یوحنا ۱۱ جہاں کا مطلب یہ ہے کہ ایسا آدمی گناہ اور غفلت اور کفر اور شرک کی موت کے
نجات پا کر اطاعت الہی کی روحانی زندگی حاصل کر لے گا۔ عیسائی صاحبان کا یہ خیال ہے کہ سوائے مسیح کے
اور کسی شخص نے آج تک دنیا میں ایسا دعویٰ نہیں کیا اور اگر کوئی کرتا بھی تو اس کے مطابق ثابت کر دینا
غیر ممکن ہوتا جس کے غالباً ان کی مراد یہ ہے کہ حضرت مسیح کا ایسا دعویٰ کرنا اور پھر بین طور پر اسکو پورا کر کے
دکھا دینا دونوں امر ثابت شدہ ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں جھوٹ ہیں اور دونوں کا کھلا
کھلا اور فلسفی ثبوت صرف ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی مل سکتا ہے۔ ہمارا دل کے متعلق
تو اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ انجیلین حضرت مسیح کے زمانہ دراز بعد بھی آگیتن اور انکے لکھنے والوں کا کچھ پتہ نہیں کہ
وہ کون تھے۔ حضرت مسیح کی انجیل تو ان میں کوئی ہے ہی نہیں۔ چار انجیلین ہیں جن کے نام یہ ہیں کہ مثنیٰ کے
مطابق انجیل۔ لوقا کے مطابق انجیل۔ مرقس کے مطابق انجیل اور یوحنا کے مطابق انجیل۔ اب اول تو یہی معلوم
نہیں کہ یہ مثنیٰ مرقس لوقا اور یوحنا جس کے مطابق یہ انجیلین لکھی گئیں کون لوگ تھے اور اگر ان بھی لپکا جائے
کہ ان میں سے کوئی حواری بھی تھا تو انجیل اس کی لکھی ہوئی نہیں بلکہ اس کی روایت کے مطابق بعد میں کسی
نے لکھی اور وہ روایت کے لکھنے والے تک کس ذریعہ پہنچی یہ بھی بتایا نہیں گیا خود انا جیل کے متناقض
دکھا تھیں کہ ان میں بہت تھوڑے سچ کے ساتھ بڑا حصہ جھوٹ کا ملا ہوا ہے۔ کاش اگر ان انا جیل کے
مصنف روایت کا سلسلہ بنا دیتے تو ان متناقض بیانون میں سے بعض کو بےس پر ترجیح دینے کی کوئی وجہ
ہمارے ہاتھ میں ہوتی۔ الغرض انجیلوں کے متعلق یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ ان میں یسوع کے کلمات
صحیح طور پر لکھے گئے ہیں۔ اور اسلئے یہ کہنا کہ فلان فقرہ جو کسی انجیل میں پایا جاتا ہے واقعی وہ مسیح کے منہ سے
نکلا تھا دعویٰ بے دلیل ہے۔ کیونکہ خود عیسائی محققین کے نزدیک سب انجیلین اور خصوصاً یوحنا کی انجیل
پایہ اعتبار سے بالکل ساقط ہیں اس لئے امرا دل کا ثبوت عیسائی صاحبان کے ہاتھ میں چھ ہیں کہ وہی
مسیح نے یہ کلمات منہ سے نکالے تھے۔

اب دوسرا امر یہ ہے کہ اگر فرض محال اسے مسیح کا دعویٰ ہی تسلیم کر لیا جاوے تو آیا فی الواقع
اس نے جہاں تک انجیلوں سے یا واقعات مسلمہ سے ثابت ہوتا ہے کوئی ایسا کام بھی کر کے دکھایا جو اسکے
اس دعویٰ پر دلیل ٹھہر سکے سو ہم افسوس سے ظاہر کرتے ہیں کہ ان دونوں ذریعوں سے ایک ذرہ
بھر بھی شہادت نہیں ملتی جو ایسے دعویٰ کی موید ہو سکے۔ جس قدر حصہ مسیح کی زندگی کا انا جیل میں بیان
کیا گیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کی تعلیم خدا کے شاگردوں کی پست خیالی اور کم فہمی
اور دنیا طلبی کو دور نہیں کر سکے اور مسیح کی مگر قناری کے وقت جو کچھ انہوں نے اپنی بزدلی اور باغیگاری
اور بیوقوفی دکھائی بلکہ بعض کی زبان پر بھی جو کچھ اس آخری وقت میں لمن ملن کے الفاظ حضرت مسیح
کی نسبت جاری ہوئے یہ ایک ایسی بات ہے کہ بڑے بڑے اور اعلیٰ درجہ کے فاضل مسیحیوں نے حواریوں کی ان

بیجا حرکات کو سیموئے لئے سخت قابل شرم قرار دیا ہر پھر یہ خیال کرنا کہ حضرت مسیح روحانی قیامت تھے اور ان میں داخل ہو کر روحانی مردے زندہ ہو گئے کس قدر دور از صداقت ہے جو کچھ حضرت مسیح کے پیروں نے آپ کی زندگی کی وقت اپنی استقامت اور ایمان داری کا نمونہ دکھلایا وہ تو ایک ایسا بدو ہے کہ ضرور ان مسیحوں پر جو بعد میں انکے دنیا میں آتے گئے اسکا بد اثر پڑا ہو گا کیونکہ ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر حضرت مسیح سے درحقیقت معجزات ظہور میں آتے اور اعلیٰ درجہ کے عجائب کام ان سے ظاہر ہوتے تو انکے حواریوں کا جو ایمان لاپچکے تھے ایسا بد انجام ہرگز نہ ہوتا کہ بعض چند درم رشوت لیکر انکو گرفتار کرتے اور بعض ان کو گرفتار ہوتے دیکھ کر بھاگ جاتے اور بعض ان کے رو برو پیر لعنت بھیجتے جنکے دلوں میں ایمان کچ جاتا ہے اور جنگل نئی زندگی حاصل ہوتی ہے کیا ان کے یہی آثار ہوا کرتے ہیں اور کیا وہ اپنے مخدوم اپنے آقا اپنے رہبر سے ایسی وفاداریاں کیا کرتے ہیں اور حضرت مسیح کے الفاظ بھی جو انجیلوں میں درج ہیں دلالت کر رہے ہیں کہ آپ کے حواری اور آپ کے دنراتکے دوست اور رفیق اور ہم پیالہ اور ہم نوالہ نکلی روحانیت سے خالی تھے اسی وجہ سے حضرت مسیح علیہ السلام بعض کو ان میں سے سست اعتقاد کے لفظ سے پکارا ہے اور بعض کو شیطان کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ لہذا ہم حواریوں کو الگ رکھ کر ان عیسائیوں کے حالات پر نظر ڈالیں جو بعد انکے وقتاً وقتاً آج تک پیدا ہوتے ہیں تو ہمیں ایک بھی ان میں سے نظر نہیں آتا جو دنیا اور نفس کی قبر سے نکل کر نئی زندگی کی قیامت میں برا بھلا نہ ہو گیا ہو بلکہ وہ تمام نفسانیت کی تنگ و تاریک قبروں میں مرے ہوئے اور سڑے ہوئے نظر آ رہے ہیں اور روحانی حیات کی ہوا انکو چھو بھی نہیں گئی و نتے بھی نہیں کہ خدا کون ہے اور اس کی عظمت اور قدرت کیا شے ہے اور کیونکر وہ پاک دلوں کو پاک زندگی بخشا اور اس سے قریب ہو جاتا ہے وہ تو ایک عاجز انسان کو خدا قرار دیکر اور بیوجہ اُس پر دوسروں کے گناہوں کا بوجھ لاد کر خوش ہو رہے ہیں جاننا چاہئے کہ موت چار قسم کی ہوتی ہے۔ غفلت کی موت گناہ کی موت شرک کی موت کفر کی موت سو یہ چار دن قہمون کی موت عیسائی مذہب میں موجود ہے غفلت کی موت اسلئے کہ ان کی تمام قوتیں دنیا کی آرائشوں اور جمیعوتوں کے لئے خرچ ہو رہی ہیں اور خدا تعالیٰ میں اور ان میں جو حجاب ہیں ان کے دور کر نیکے لئے ایک ذرہ بھی انہیں فکر نہیں اور گناہ کی موت اگر دیکھنی ہو تو یورپ کی سیر کرنا اور دیکھنا کہ ان لوگوں میں عفت اور پیرکاری اور پاکدہی کس قدر باقی رہ گئی ہے اور شرک کی موت خود دیکھتے ہو کہ انسان کو خدا بنا دیا اور خدا تعالیٰ کو بھلا دیا اور اور کفر کی موت یہ کہ سچے رسول سے منکر ہو گئے اب اس تمام تقریر سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کی نسبت یہ گمان کرنا کہ انہوں نے روحانی مردوں کے زندہ کرنے میں قیامت کا نمونہ دکھلایا سراسر خیالی محال اور دعوے بے دلیل ہے۔

اس کے بالمقابل جب ہم دوسرے طرف دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا نمودار روحانی جیات کے بخشے میں اس ذات کامل الصفات نے دکھایا جس کا مقدس نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے سارا قرآن اہل سے آخر تک یہ شہادت دے رہا ہے کہ یہ رسول اس وقت بھیجا گیا کہ جب تمام قومیں دنیا کی روح میں پچی پھینیں اور فساد روحانی نے بڑبڑ کو ہلاک کر دیا تھا تب اس رسول پاک نے آگے سرے سے دنیا کو زندہ کیا اور زمین پر توحید کا دریا جاری کر دیا یسوع کا جو کچھ دعوے انجیل یوحنا میں مذکور ہے وہ قطع نظر اس بات سے کہ بے ثبوت ہونے کی وجہ سے وہ سخت تاریکی میں پڑا ہوا ہے ویسے بھی اسکے بالمقابل قرآن کریم کا دعوے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک نہایت با عظمت اور پر شکوت دعوے ہے اور روشن دلائل اور براہین قاطعہ سے چمک رہا ہے۔ آپ کی ذات بابرکات کی نسبت قرآن کریم سورہ انفال میں فرماتا ہے۔ اذ ادعسا کم لملککم کہ یہ رسول تم کو بلاتا ہے کہ تمہیں زندگی عطا کرے یعنی شرک اور کفر اور گناہ کی موت سے نکال کر روحانی زندگی عطا فرماوے اور پھر بار بار فرماتا ہے کہ دنیا سب مچھلی تھی اور خدا تعالیٰ نے اپنے نبی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا کہ دنیا کو از سر نو زندہ کیا جیسا کہ فرمایا اعلیٰ ان اللہ یحیی الارض بعد موتہا۔ یعنی اس بات کو سن کر کھوکھ زمین کو اسکے مرنیکے بعد خدا تعالیٰ زندہ کرتا ہے اور اسی کیطرت وہ حدیث بھی اشارہ کرتی ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ انا الحاشی للذی یحشر الناس علی قدمی یعنی میں وہ مرد ہوں گا اٹھایا ہوں جس کے قدموں پر لوگ اٹھائے جاتے ہیں ایسا ہی دوسری جگہ قرآن کریم میں فرمایا قل یا عباد الذین اسر فواللہ انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً۔ الحجۃ ۲۴۔ سورہ زمر۔ یعنی کہہ اے میرے غلامو جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی ہے تم رحمت الہی سے ناامید مت ہو خدا تعالیٰ سارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں ایک نئی زندگی جو گناہ سے پاک ہے عطا فرمائے گا۔ اس جگہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ بجائے یہ کہنے کے کہ قل لیعبدا للہ۔ یعنی کہہ اے خدا کے بندو۔ یہ فرمایا کہ قل یا عباد الہ۔ یعنی کہہ اے میرے غلامو یہ آیت اسکے نازل ہوئی کہ خدا تعالیٰ نے بشارت دیوں کی بشارت دیوں سے اور جو لوگ کثرت گناہوں سے روحانی طور پر مر چکے تھے ان کو نئی اور پاک زندگی کی بشارت دیوں سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سات سے اور آپ کی پیروی سے حاصل ہو سکتی تھی۔ اسی لئے لفظ یا عباد الہ کا بھی استعمال فرمایا کہ جو شخص نئی زندگی کا خواہاں ہے اسے چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورے طور پر غلام ہو جائے یعنی آپ کی اطاعت میں محو ہو جائے کہ گویا غلام ہے تب گناہ کی موت کو اس سے دور کر کے پاک زندگی جو ہر ایک خوف و حزن سے خالی اسے عطا کیجاوے گی اور اس جگہ اپنی رحمتوں کا ایک نمونہ بھی پیش کیا ہے اور دکھلایا ہے کہ خدا تعالیٰ کہاں تک اپنے وفادار بندوں کو انعامات خاصہ سے مشرف کرتا ہے۔ سو اس نے قل یا عباد الہ کے نفاذ سے یہ ظاہر کیا کہ دیکھو یہ میل پیارا رسول دیکھو یہ میرا برگزیدہ بندہ کہ

کمال طاعت کے کس درجہ تک پہنچا کہ اب جو کچھ میرا وہ اسکا ہو جو شخص نجات اور روحانی زندگی کا خواہاں ہو وہ اسکا غلام ہو جائے اور اسی کے موافق یہ دوسری آیت قرآن شریف کی ہر قلم انکنتہ تجبوت اللہ فاتبعونی بحکمہ اللہ وغیرہ کم ذنوبکم جسکا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی سے انسان خدا کا محبوب بن جاتا ہے اور اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں دونوں آیتیں از روئے مفہوم ایک ہی ہیں کیونکہ کمال اتباع اس محویت اور اطاعت تامہ کو مستلزم ہے جو عبد کے مفہوم میں پائی جاتی ہے +

ماحصل ان آیتوں کا یہ ہے کہ جو لوگ دل و جان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بننے اور آپ کی پیروی اختیار کرتے ہیں ان کو وہ نور ایمان اور محبت اور عشق بخشا جائیگا کہ جو ان کو غیر اللہ سے رٹائی دیدیگا اور وہ گناہوں سے نجات پائیں گے اور اسی دنیا میں ایک نئی زندگی اور پاک زندگی ان کو عطا کی جائے گی اور نفسانی جذبات کی تنگ و تاریک قبر و شے وہ نکالے جاوینگے پھر اسی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں فرماتا ہے۔ واپدہم بروح منہ یعنی انکو روح القدس کے ساتھ مدد دی اور روح القدس کی مدد یہ ہے کہ انکو زندہ کرتا ہے اور روحانی موت سے نجات بخشتا ہے اور پاکیزہ قوتیں اور پاکیزہ حواس اور پاک علم عطا فرماتا ہے اور علوم یقینیہ اور براہین قطعیہ سے خدا تعالیٰ کے مقام قرب تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ اس کے مقرب وہی ہیں جو یقینی طور پر جانتے ہیں کہ وہ ہے اور یقینی طور پر جانتے ہیں کہ اس کی قدرتیں اور اس کی رحمتیں اور اس کی عقوبتیں اور اسکی عدالتیں سب صحیح ہیں اور وہ جمع فیوض کا مبداء اور تمام نظام عالم کا سرچشمہ اور تمام سلسلہ موثرات اور متاثرات کا علت العظمیٰ ہے مگر تصرف بالا ارادہ جسکے ہاتھ میں کل ملکوت السموات والارض ہے اور یہ علوم جو مدار نجات ہیں یقینی اور قطعی طور پر بجز اس حیات کے حاصل نہیں ہو سکتے جو تواسط روح القدس انسان کو ملتی ہے اور قرآن کریم کا طرے زور شور سے یہ دعوے ہے کہ وہ حیات روحانی صرف متابعت اس رسول کریم سے ملتی ہے اور تمام وہ لوگ جو اس نبی کریم کی متابعت سے سرفراز ہیں وہ مردے ہیں جن میں اس حیات کی روح نہیں ہے اور حیات روحانی سے مراد انسان کے وہ علمی اور عملی قوتیں ہیں جو روح القدس کی تائید سے زندہ ہو جاتے ہیں اور قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ جن احکام پر اللہ جل شانہ انسان کو قلم کرنا چاہتا ہے وہ چھ سو ہیں ایسا ہی اس کے مقابل پر جبرائیل م کے پر بھی چھ سو ہیں اور بیضہ بشریت جب تک چھ سو حکم کو سر پر رکھ کر جبرائیل کے پردے نیچے نہ آوے اس میں فنا فی اللہ ہونیکا بچہ پیدا نہیں ہوتا اور انسانی حقیقت اپنے اندر چھ سو بیضہ کی استعداد رکھتی ہے پس جس شخص کا چھ سو بیضہ استعداد قبول کے چھ سو پر کے نیچے آگیا وہ انسان کامل اور یہ تولد اسکا تولد کامل اور یہ حیات حیات کامل ہے اور غور کی نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ بیضہ بشریت کے روحانی بچے جو روح القدس کی معرفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی برکت سے پیدا ہوئے وہ اپنی کمیت اور کیفیت اور صورت اور نوع اور حالت میں تمام انبیاء کے

بچوں سے اتم اور اکل ہیں اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ تم خیر امتیہ آخر حجت لائے۔
یعنی تم سب امتوں سے بہتر ہو جو لوگوں کی اصلاح کے لئے پیدا کئے گئے ہو اور درحقیقت جس قدر قرآنی
تعلیم کے کمالات خاصہ ہیں وہ اس امت مرحومہ کے استعداد کی کمالات پر شاہد ہیں کیونکہ اللہ جل شانہ کی
کتاب میں ہمیشہ اسی قدر نازل ہوتی ہیں جس قدر اس امت میں توفیل کتاب کی سکنت ہے استعداد ہوتی
ہے مثلاً انجیل کی نسبت تمام تحقیقین کی یہ رائے ہے کہ اس کی تعلیم کامل نہیں ہے اور وہ ایک ہی پہلو پر چلی
جاتی ہے اور دوسرے پہلو کو کلی چھوڑ رہی ہے لیکن دراصل یہ قصور ان استعدادوں کا ہے جنکے لئے
انجیل نازل ہوئی تھی چونکہ خدا تعالیٰ نے انسانی استعداد کو تدریجاً ترقی دی ہے اس لئے اوایل نازل
میں اکثر ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں کہ جو غبی اور پلید اور کم عقل اور کم فہم اور کم دل اور کم ہمت اور
کم یقین اور سبت خیال اور دنیا کے لالچوں میں پھنسے ہوئے تھے اور داعی اور ملی قوتیں ان کی
تہایت ہی کمزور تھیں مگر ان زمانوں کے بعد ہمارے سید و مولے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ زمانہ آیا جس میں
رفعتہ رفتہ استعداد میں ترقی کر گئیں گویا دنیا نے اپنے فطرتی قوے میں ایک اور ہی صورت بدل لی پس
ان کی کامل استعدادوں کے موافق کامل تعلیم نے نزول فرمایا۔

اب اگر عملی طور پر اسکا ثبوت چاہو تو صرف اتنا سوچنا کافی ہے کہ جزیرہ عرب کے لوگ اول کیا تھے
اور پھر اس رسول کی پیروی کے بعد کیا ہو گئے اور کسی ان کی وحشیانہ حالت اعلیٰ درجہ کی انسانیت
تک پہنچ گئی اور کس صدق و صفات سے انہوں نے اپنے ایمان کو اپنے خونوں کے بہانے سے اور اپنی جانوں کے
فدا کرنے اور اپنے عزیزوں کے چھوڑنے اور اپنے مالوں اور عزتوں اور آراموں کو خدا تعالیٰ کے راہ میں
لگانے سے ثابت کر دکھایا تو بلاشبہ ان کی ثابت قدمی اور انکا صدق اور اپنے پیارے رسول کی راہ میں لگی
جانفشانی ایک اعلیٰ درجہ کی کرامت کے رنگ میں اس کو نظر آئے گی وہ پاک نظر ان کے وجودوں پر کچھ ایسا کام
کر گئی کہ وہ اپنے آپ سے کھوئے گئے اور انہوں نے فنا فی اللہ ہو کر صدق اور راستبازی کے وہ کام کھلا
جسکی نظیر کسی قوم میں ملنا مشکل ہے اور جو کچھ انہوں نے عقائد کے طور پر حاصل کیا تھا وہ یہ تعلیم تھی
کہ کسی عاجز انسان کو خدا مانا جائے یا خدا تعالیٰ کو پوچھنا محتاج ٹھہرایا جاوے بلکہ انہوں نے حقیقی نہ گئے
وہ الجلال کے جو ہمیشہ سے غیر تبدیل اور حقیقی قوم اور ابن اور اب ہونے کی حاجات سے منزہ اور موت
اور پیدائش سے پاک ہے بذریعہ اپنے رسول کریم کے شناخت کر لیا تھا اور وہ لوگ سچ محموت کے
گڑھے سے نکل کر پاک حیات کے بلند مینار پر کھڑے ہو گئے تھے اور ہر ایک نے ایک تازہ زندگی پالی
تھی اور اپنے ایمان میں ستاروں کی طرح چمک اٹھے تھے سو درحقیقت ایک ہی کامل انسان
دنیا میں آیا جس نے ایسے اتم اور اکل طور پر یہ روحانی قیامت دکھلائی اور ایک زمانہ دراز کے موعود
اور ہزاروں برسوں کے عظم ذمہ کو زندہ کر دکھلایا اسکے آئیے قبر میں کھل گئیں اور بوسیدہ ٹہیوں میں

جان پڑ گئی اور اس نے ثابت کر دکھایا کہ وہی حاشر اور وہی روحانی قیامت ہے جس کے قدموں پر ایک عالم قبروں میں سے نکل آیا اور بشارت و تربیت الناس یہ خلون فی دین اللہ افواجاً تمام جزیرہ عرب پر اثر انداز ہو گئی اور پھر اس قیامت کا نمونہ صحابہ تک ہی محدود نہ رہا بلکہ اس خداوند قادر قدیر نے جس نے ہر قوم اور ہر زمانہ اور ہر ملک کے لئے اس بشیر و نذیر کو مبعوث کیا تھا ہمیشہ کے لئے جاودانی برکتیں اُس کے سچے تابع اور ن تین رکہدین اور وعدہ کیا کہ وہ نور اور وہ روح القدس جو اس کامل انسان کے صحابہ کو دیا گیا تھا آئینہ الے متبعین اور صادق الاخلاص... لوگوں کو بھی ملے گا جیسا کہ اس نے فرمایا ہو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم تلیا علیہم آیاتہ ویزکیہم وعلیہم الکتاب والحکمۃ وان کا نواس میں قبل لنی ضلال مبین و آخرین منهم لما یلحقوا بہم وہو العزیز الحکیم یعنی وہ رحیم خدا وہ خدا ہے جس نے امیون میں انہیں مین سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اگرچہ وہ پہلے اس سے صریح گمراہ تھے اور ایسا ہی وہ رسول جو ان کی تربیت کر رہا ہے ایک دوسرے گروہ کی بھی تربیت کرے گا جو انہیں مین سے ہو جائینگے اور انہیں کے کمالات پیدا کر لیں گے مگر بھی وہ ان سے ملے ہنیں اور خدا غالب ہے اور حکمت والا اس جگہ یہ نکتہ یاد رہے کہ آیت و آخرین منهم میں آخرین کا لفظ مفعول کے محل پر واقع ہے گویا تمام آیت معاہدہ اپنے الفاظ مقدرہ کے یون ہے ہو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم تلیا علیہم آیاتہ ویزکیہم وعلیہم الکتاب والحکمۃ وعلیہم الآخرون منهم لما یلحقوا بہم یعنی ہمارے خالص اور کامل بندے بجز صحابہ رضی اللہ عنہم کے اور بھی ہیں جن کا گروہ کثیر آخری زمانہ میں پیدا ہو گا اور جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت فرمائی ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس گروہ کی بھی باطنی طور پر تربیت فرمائینگے یعنی وہ لوگ ایسے زمانہ میں آئینگے کہ جس زمانہ میں ظاہری افادہ اور استفادہ کا سلسلہ منقطع ہو جائیگا اور دنیا اسلام بہت سی غلطیوں اور بدعتوں سے پُر ہو جائیگا اور فقرائے کے دلوسے بھی باطنی روشنی جاتی رہے گی تب راتقائے کسی نفس سعید کو بغیر وسیلہ ظاہری سلسلوں اور طریقوں کے صرف... نبی کریم کی روحانیت کی تربیت سے کمال روحانی تک پہنچا دے گا اور اسکو ایک گروہ بنائیگا اور وہ گروہ صحابہ کے گروہ سے نہایت شدید مشابہت پیدا کرے گا کیونکہ وہ تمام کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی زراعت ہوگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان انہیں جی و ساری ہو گا اور صحابہ سے وہ ملینگے یعنی اپنے کمالات کے رو سے انکی مشابہ ہو جائینگے اور ان کو خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہی موقعہ ثواب حاصل کر نیکی حاصل ہو جائینگے جو صحابہ کو حاصل ہوئے تھے اور بپاعت متہائی اور یکسی اور پھر ثابت قدمی کے اسی طرح خدا تعالیٰ کے نزدیک صادق سمجھی جائیگی کہ جس طرح صحابہ سمجھے گئے تھے کیونکہ یہ زمانہ بہت سی آفتوں اور فتنوں اور کربانی

کے پھیلنے کا زمانہ ہوگا اور راستہ سازوں کو وہی مشکلات پیش آجائیں گی جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو پیش آئی تھیں اس لئے وہ ثابت قدمی دکھلائیے بعد صحابہ کے مرتبہ پر شمار ہونگے لیکن درمیانی زمانہ فیج اعوج ہے جس میں بیاعت رعب اور شوکت اسلام اور کثرت اسباب تنعم صحابہ کے قدم پر قدم رکھنے والے اور ان کے مراتب کو قطعی طور پر حاصل کرنے والے بہت ہی کم تھے مگر آخری زمانہ اول زمانہ کے مشابہ ہوگا کیونکہ اس زمانہ کے لوگوں پر غربت طاری ہو جائے گی اور بجز ایمانی قوت کے اور کوئی سہارا بلاؤں کے مقابلہ پر ان کے لئے نہ ہوگا۔

اب اس تمام تقریر کو مختصر کر کے ہم پھر کہتے ہیں کہ اگر اس فقرہ کو صحیح بھی سمجھا جائے کہ حضرت مسیح نے ضروریہ دعوے کیا کہ قیامت اور زندگی میں ہوں تو اس سے کچھ حاصل نہیں کیونکہ ایسا دعوے جاپنے ساتھ اپنا ثبوت نہیں رکھتا کسی کے لئے موجب فضیلت نہیں ہو سکتا اگر ایک انسان ایک امر کی نسبت دعوے تو نہ کرے مگر وہ امر کہ دکھائے تو اس دوسرے انسان سے بدرجہ بہتر ہے۔ کہ دعوے تو کرے مگر اثبات دعوے سے عاجز رہے انجیل خود شہادت دے رہی ہے کہ حضرت مسیح کا دعوے اور دن کی نسبت تو کیا خود حواریوں کی حالت پر نظر ڈالنے سے ایک معترض کی نظر میں سخت قابل اعتراض ٹھہرتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح اپنے حواریوں کو بھی نفسانی قبروں میں ہی چھوڑ گئے اور جب ہم حضرت مسیح کے اس دعوے کو حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے سے مقابلہ کرتے ہیں تو اس دعوے اور اس دعوے میں ظلمت اور نور کا فرق دکھائی دیتا ہے حضرت مسیح کا دعوے عدم ثبوت کے ایک تنگ ذاریک گڑھے میں گرا ہوا ہے اور کوئی نوایہ ساتھ نہیں رکھتا لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوے آفتاب کی طرح چمک رہا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جاودانی زندگی پر یہ بھی بڑی ایک بھاری دلیل ہے کہ حضرت مدوح کا فیض جاودانی جاری ہے اور جو شخص اس زمانہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے وہ بلاشبہ قبر میں سے اٹھایا جاتا ہے اور ایک روحانی زندگی اسکو بخشی جاتی ہے نہ صرف خیالی طور پر بلکہ آثار صحیحہ صادقہ صاف ظاہر ہوتے ہیں اور آسمانی مددیں اور سماوی برکتیں اور روح القدس کی خارق عادت نائیدین اسکے شامل حال ہو جاتی ہیں اور وہ تمام دنیا کے انسانوں میں سے ایک متفرد انسان ہو جاتا ہے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اس سے ہمکلام ہوتا ہے اور اپنے اسرار خاصہ اس پر ظاہر کرتا ہے۔ اور اپنے حقایق و معارف کھولتا ہے اور اپنی محبت اور عنایت کے چمکتے ہوئے علامات اس میں نمودار کر دیتا ہے اور اپنی نصرتیں اس پر اتارتا ہے اور اپنی برکات اس میں رکھ دیتا ہے اور اپنی ربوبیت کا آئینہ اسکو بنا دیتا ہے اس کی زبان پر حکمت جاری ہوتی ہے اور اسکے دل سے نجات لطیفہ کے چشتے نکلتے ہیں اور پوشیدہ بھید اس پر آشکار کئے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ ایک عظیم الشان تجلی

اس پر فرماتا ہے اور اس سے نہایت قریب ہو جاتا ہے اور وہ اپنی استنجات دعاؤں میں اور اپنی قبولیتوں میں اور فتح ابواب معرفت میں اور انکشاف اسرار غیبیہ میں اور نزول برکات میں سب سے اوپر اور سب پر غالب رہتا ہے۔ چنانچہ ہمارے اس زمانے میں بھی خدا تعالیٰ نے اسلام میں ایک انسان ایسا پیدا کیا ہے جو ان تمام صفتوں سے موصوف ہے اور جو ہزاروں دفعہ تمام مخالفین پر اہتمام حجت کر چکے ہیں کہ اگر کسی کا یہ دعوے ہو کہ روحانی حیات بجز اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور ذریعہ سے بھی مل سکتی ہے وہ اس کا مقابلہ کرے یا طالب حق بن کر اسلام کی برکات اور آیات اور نشانوں کے مشاہدہ کے لئے آئے لیکن کسی نے صدق اور نیک نیتی سے اس طرف رخ نہ کیا اور اپنی کنارہ کشی سے ثابت کر دیا کہ وہ سب تاریکی میں گرے ہوئے ہیں۔

اور یہ اعتراض سراسر حماقت ہے کہ یہ کہا جائے کہ مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو گناہوں میں غرق ہیں ان کے روحانی امراض کیون دور نہ ہوئے اور یہ لوگ کیون قبروں میں سے نہ نکلے کیونکہ اگر کوئی آفتاب کی طرف سے اپنے گھر کے کواڑ بند کر کے ایک تاریک گوشہ میں بیٹھ جائے تو اگر اس تک آفتاب کی روشنی نہ پہنچے تو یہ آفتاب کا قصور نہیں بلکہ خود اس شخص کا قصور جس نے ایسا کیا ماسوا اسکے اگرچہ یہ لوگ کیسے ہی محبوب اور دروازہ حقیقت ہیں مگر کبھی علانیہ توحید کے قائل ہیں کسی انسان کو خدا نہیں بناتے اور یہ برکت توحید اپنی ایک نور بھی رکھتے ہیں اور کسی قدر زندگی کی حرارت نہیں موجود ہے۔ اس لئے ہم انہیں کہہ سکتے ہیں کہ وہ بالکل مر گئے اگرچہ خطرناک حالت میں ہیں اگر کوئی ایسی یا ہندو ہمارے طرف سے منہ پھیر کر ایسی نکتہ چینی کرے تو وہ سخت متعصب یا سخت نادان ہو یا غ میں کانٹا ہونا بھی ضروری ہے جہاں پھول میں کانٹے بھی ہونگے مگر فرقہ مخالفہ میں تو سراسر کانٹوں کا ہی انبار نظر آتا ہے عیسائیوں کی یہ سراسر بیہودہ باتیں ہیں کہ مسیح روحانی قیامت تھا اور مسیح میں ہو کہ ہم جی اٹھے حضرت عیسائی خوب یاد رکھیں کہ مسیح کا نمونہ قیامت ہوتا سزا و ثواب نہیں اور نہ عیسائی جی اٹھے بلکہ مردہ اور سب مردوں سے اول درجہ پراور تنگ و تاریک قبروں میں پڑے ہوئے اور شرک کے گڑھے میں گرے ہوئے ہیں نہ ایمانی روح ان میں ہو نہ ایمانی روح کی برکت بلکہ اودنے سے اودنے درجہ توحید کا جو مخلوق پرستی سے پرہیز کرنا چاہئے وہ بھی انکو نصیب نہیں ہوا اور ایک اپنے جیسے عاجز اور ناتوان کو خالق سمجھ کر اس کی پرستش کرے ہیں۔ یاد رہے کہ توحید کے تین درجے ہیں سب سے اودنے درجہ یہ ہے کہ اپنے جیسی مخلوق کی پرستش نہ کریں نہ پتھر کی نہ لک کی نہ آدمی کی نہ کسی ستارہ کی دوسرا درجہ یہ ہے کہ اسباب پر بھی ایسے نہ کریں کہ گویا ایک قسم کا انکوروشیکے کارخانہ میں مستقل ذخیل قرار دیں بلکہ ہمیشہ سبب پر نظر رہے نہ اسباب پر تیسرا درجہ توحید کا یہ ہے کہ تجلیات الہیہ کا کامل مشاہدہ کر کے ہر ایک غیر کے وجود کو کالعدم قرار دیں اور ایسا ہی اپنے وجود کو بھی غرض ہر ایک چیز نظر میں فانی دکھائی دے بجز اللہ تعالیٰ کی ذات کامل الصفات کے ہی روحانی زندگی ہو کہ یہ مراتب تین

توحید کے حاصل ہو جائیں اب غور کر کے دیکھ لو کہ روحانی زندگی کے تمام جاودانی حیشے محض حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل دنیا میں آئے ہیں یہی امت ہے کہ اگرچہ نبی تو نہیں مگر نبیوں کی مانند خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہو جاتے ہیں اور اگرچہ رسول نہیں مگر رسولوں کی مانند خدا تعالیٰ کے رسول نشان انکے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں اور روحانی زندگی کے دریا اس میں بہتے ہیں اور کوئی نہیں کہ اس کا مقابلہ کر سکے

السن اور الفہم کے مضامین عصمت انبیاء پر

عصمت انبیاء کے مضمون مفصل بحث ہم اس پرچہ کے مختلف قیرون میں کر چکے ہیں لیکن اب کوئی تلافی دلائل دے جاویں عیسائی مناظرین کے نزدیک وہ بھی کافی نہیں ہو سکتے اس سے پہلے ہم فروری گذشتہ کے پرچے میں پادری مانرو کے اعتراضوں کا جو اس نے حضرت آدم کے ممنوع درخت سے لے کر متعلق کئے تھے جواب دیکھے ہیں لیکن اس وقت دو مضمون اور دو شکست آدمیوں کی طرف سے اسی مضمون پر شائع ہو کر ہمارے پاس پہنچے ہیں یعنی ایک پادری السن کا مضمون حضرت آدم اور داؤد علیہ السلام اور دوسرا ایک شخص الفہم کا مضمون مسئلہ عصمت پر عموماً اور حضرت آدم پر خصوصاً معلوم ہوتا ہے کہ پادری السن نے ہمارے اصل مضامین کو نہیں پڑھا اور نہ وہ یہ بات نہ لکھتا کہ مرزا صاحبہ قادیان نے بڑی جرأت سے یہ لکھا ہے کہ اس مضمون کے متعلق معتبر اور مستند کتابیں صرف امام رازی کی تفسیر اور لسان العرب جو دس جلدوں میں (۹) عربی لغت کی کتاب ہے ہیں کیونکہ سٹر السن پادری کا کام کرتے ہیں اس لئے اگر انہوں نے بغیر اصل مضمون کے پڑھنے کے ہی اس کی تردید بھی لکھ دی ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہم نے (نہ مرزا صاحبہ کیونکہ مضامین زیر بحث حضرت مرزا صاحبہ کے لکھے ہوئے نہیں) یہ صاف طور پر لکھا تھا کہ ہم صرف قرآن کریم کو ہی سند ملتے ہیں اور تفسیرون کو کوئی مسلمان بھی کلام الہی یا وحی الہی نہیں مانتا اور امام رازی کا حوالہ بعض جگہ صرف ان جگہ لے کر تفسیر کی تردید کے لئے دیا تھا جو عیسائی مناظرین اس رنگ میں پیش کیا کرتے ہیں کہ گویا وہ معتبر اور محقق مفسرین کے نزدیک صحیح اور مسلم ہیں اور لسان العرب کا حوالہ صرف بعض الفاظ کے معانی کے لئے دیا گیا لیکن یہ ہم نے کہیں نہیں لکھا کہ اسکے سوائے باقی کل کتابیں ناقابل اعتناء ہیں ۛ

الفہم ابتداء کے مضمون میں اس جرأت کے ساتھ جو صرف پادری صاحبان سے ہی مخصوص ہو لکھتا ہے کہ عیسائی اپنی کتب مقدسہ کی بنیاد پر ہمیشہ اس بات کے قائل ہو رہے ہیں کہ بجز مسیح کلمتہ اللہ کے جو پاک بے ریا بے عیب گنہ گاروں سے جدا اور آسمانوں سے بلند ہے (عبرانی کلمہ) ہر انسان بنی ہو یا

ولی کبھی نہ کبھی اپنے خدا کی حکم عدولی کر کے گنہ گار اور عاصی ہو گیا۔ اور آگے چل کر امام لازمی کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ مسلمانوں کے بعض فرقوں یا بعض مسلمان تکلمین نے عصمت انبیاء کا انکار کیا ہے اور یہی لوگ اسکے نزدیک "محققین ہیں" لیکن ان محققین نے حضرت عیسیٰ کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا۔ اور جیسا وہ دوسرے انبیاء کو معصوم نہیں مانتے ویسا ہی مسیح کو بھی معصوم نہیں مانتے۔ اس لئے ان فرضی و تحقیقین کی رائے اگر ہمارے خلاف ہے تو الفہم کی بھی اس سے تائید نہیں ہوتی کیونکہ اس نے اپنی کتاب کا ایک باب اس امر کے ثابت کرنے کے لئے مخصوص کیا ہے کہ قرآن شریف کے رو سے مسیح معصوم ہے لیکن اس حصہ مضمون پر بالفعل ہم کچھ گفتگو کرنا نہیں چاہتے ہم نے کبھی اس امر سے انکار نہیں کیا بلکہ "عصمت انبیاء پر پادری مانرو کے رسالے کے عنوان کے نیچے جو مضمون لکھا تھا اسکے ابتدائین ہی صاف طور پر لکھ دیا تھا کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جنہوں نے عصمت انبیاء سے انکار کیا ہے لیکن تاہم ابتدائے اسلام سے اسلامی دنیا کے اکثر حصے کا مذہب عصمت انبیاء ہی رہا ہے لیکن اگر مسلمانوں کے اندر کسی فرقہ یا تنظیم نے عصمت انبیاء سے انکار کیا ہے (جن میں حضرت مسیح بھی شامل ہیں) تو عیسائیت بھی ایسے فرقوں اور تکلمین سے خالی نہیں جنہوں نے یا تو یسوع کی عصمت کا انکار کیا ہے اور یسوع کی طرح دوسرے انبیاء اور صلحا کو معصوم مانا ہے۔ الفہم اس واقعہ کو چھپانا چاہتا ہے (شاید مسیح کے خون نے ان باتوں کو اسکے لئے جائز کر دیا ہے) اور اس لئے جب مسیح کی عصمت کے متعلق وہ عیسائی عقیدہ کو بیان کرتا ہے تو ایسے الفاظ میں لکھتا ہے جسے صاف فہم نہ لگتا ہے کہ تمام عیسائی فرقے بلا اختلاف اس بات پر متفق رہے ہیں کہ یسوع بیگناہ تھا اور دوسرے تمام نبی گنہ گار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اس کی اس خلاف بیانی کی تردید ضروری سمجھتے ہیں +

عیسائی مذہب کا فرقہ میلاد یسوع کی عصمت کا منکر رہا ہے اور وہ اسکو گناہ سے پاک نہ سمجھتے تھے ایک اور فرقہ ایونایت کا اعتقاد یہ تھا کہ عیسائی مذہب کا بانی حضرت موسیٰ اور دوسرے انبیاء اور دوسرے مذاہب کے بانیوں کی مانند ہی تھا اور کوئی خاص امتیاز اسے حاصل نہ تھا یہ کوئی معمولی چھوٹا سا فرقہ نہ تھا بلکہ ابتدائے عیسویت سے اکثر یہودی جو عیسائی مذہب کو اختیار کرتے رہے وہ اس فرقہ کے نمبر تھے اور ایک مدت تک اس فرقہ کا غلبہ رہا۔ ابدلارڈ کا خیال تھا کہ یسوع میں انسانی کمزوری کے اصل نقص موجود تھے جو معصی اسکے چاہو کرو فرقہ پیلگین اس بات کا انکار کرتا تھا کہ آدم کا گناہ بطور ورثہ کے اگیا اور پیلگین کی تعلیم تھی کہ جو انسان دنیا میں آتا ہے وہ پاک ہوتا ہے اور گناہ صرف ایک عارضہ ہے اور اس اعتقاد کی بھی تعلیم تھی کہ دنیا میں بہت انسان ایسے ہو چکے ہیں جو اپنی اخیر زندگی تک گناہ سے پاک رہے۔ چنانچہ پولوس کے خط بنام عبرانیوں کی تفسیر کرتے ہوئے وہ مثال کے طور پر ہابیل۔ اسحاق اور یعقوب کے نام لیتا ہے کہ یہ معصوم تھے۔ اسکے بعد عیسائیت کے فرقہ رومن کیتھولک پر غور کرو جو کئی صدیوں تک

عیسائی دنیا کا مذہب رہا ہے اور جس میں اب بھی قریباً نصف عیسائی دنیا شامل ہے۔ اس فرقہ کے اعتقاد کے رو سے مریم بھی بیگناہ پیدا ہوئی اور یسوع کی طرح پیدایشی اور حقیقی گناہ سے پاک تھی۔ پھر وہ من بھوک اس امر کے قائل نہیں کہ یوہنا سبب بطرس کے جایز جانشین ہو چکے خطا سے محفوظ ہیں بلکہ بعض نے بطرس کو شفیع بھی مانا ہے اگرچہ یسوع نے اسکو باوجود اسکے کہ وہ اسکے دعوے مسیح موعود کو تسلیم کرتا تھا شیطان ہی کہا ہے۔ پھر عیسائیت کا فرقہ موحدین کو جنکے عقائد اصل عیسائیت سے بہت متعلق تھے ان کی تعلیم ہے کہ یسوع امتیانون اور غلطیوں سے بتدریج پاک ہوا اور ایسا ہی یہ بھی کہ سب صدیق الہی دنیا کی سب سے بڑی امیدوں کو پورا کرنے کے باعث مسیح ہی ہوتے ہیں اور کمال کی طرف جو دنیا کی گوس ہے اس کے مؤید ہو چکے سبب سے وہ شفیع بھی ہوتے ہیں۔ الف میم کو چاہئے کہ غور کرے کہ عیسائیت کے اس عظیم الشان اختلاف کے بالتقابل جدید اسلامی فرقوں کا عقیدہ عصمت کو نہ مانا کیا وقعت رکھتا ہے۔ مان ان سب سے الف میم یہ کہہ سکتا ہے کہ ان کے نزدیک ایسے عقیدے سے واسطہ لوگ سب مرتد تھے اور اسلئے اب ہم اس امتزاج لوگوں کی شہادت پیش کرتے ہیں جن پر کفر کا فتوہ دیتے وقت الف میم کو ذرا احتیاط سے کام لینا پڑے ان میں سے اول پولوس ہو جو یسوع سے بھی بڑھ چڑھ کر ایک آدمی کو پیش کرتا ہے عبرانیوں کے میں وہ لکھتا ہے کہ یسوع ملک صدق کے طور پر کاہن بنایا گیا ہے اور پھر لکھتا ہے کہ ”یہ ملک صدیق سلیم کا بادشاہ خدا تعالیٰ کا کاہن تھا جس نے ابراہام کا جب وہ بادشاہوں کو مار کے پھرتا تھا استقبال کیا اور اسکے لئے برکت چاہی۔ جسکو ابراہیم نے سب چیزوں کی دہسکی دی۔ وہ پہلے اپنے نام کے معنوں کے موافق راستی کا بادشاہ ہے اور پھر شاہ سلیم یعنی سلطنت کا بادشاہ یہ بے باپ بے نسب نامہ جسکے نہ دنوں کا شروع نہ زندگی کا آخر مگر خدا کے بیٹے سے مشابہ ٹھہرے ہمیشہ کاہن رہتا ہے“ (عبرانیوں کے) یہ آدمی یقیناً یسوع سے بھی بڑھ کر ہے۔ یسوع کو تو مان کی طرف سے کچھ نہ کچھ گناہ کا حصہ ملا ہو گا مگر ملک صدق کا نہ باپ تھا اور نہ مان اور اسی لئے وہ راستی کا بادشاہ اور سلطنتی کا بادشاہ اور گناہ سے بالکل پاک ٹھہرا۔ پھر وہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اور موت کا سپر قابو نہیں اسلئے حقیقی یا سورتی گناہ بھی اس کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا کیونکہ گناہ ہوتا تو موت بھی ضرور آتی۔ حالانکہ یسوع پر موت بھی واقع ہوئی اور یسوع کو بیخبر حاصل ہو کہ وہ ملک صدق کے طور پر کاہن بنایا گیا۔ اسکے بعد لو قائی شہادت کو جو وہ ذکر کیا اور اس کی عورت کے حق میں دیتا ہے ”وے دونوں خدا حضور راستی اور خداوند کے سارے حکم اور قانون پر بے عیب چلنے والے تھے“ (لو قاپ) یہ آیت ان عیسائیوں کو جھوٹا ٹھہراتی ہے جو کہا کرتے ہیں کہ کوئی شخص خدا کے سارے حکم اور قانون نہیں چل سکتا اور کہ سوائے یسوع مسیح کے کوئی بے عیب نہیں۔ پھر یہی مصنف (جو عیسائیوں کے نزدیک الہامی مونس ہے) ان دونوں راستی اور خداوند کے بیٹے کی نسبت لکھتا ہوا کہتا ہے ”وہ خداوند کے حضور بزرگ ہو گا“

اور نہ کسی نشہ ہی سے گا اور اپنی مان کے پیٹ سے ہی روح القدس سے بھر جائیگا اور نبی اسرئیل
میں سے بہتوں کو ان کے خداوند کی طرف پھیرے گا۔ لوقا ۱۵-۱۶ عجیب بات یہ ہے کہ یسوع بھی ان لوگوں
میں سے تھا جنہیں یوحنا نے انکے خداوند کی طرف پھیرا۔ اب غور کرو کہ یسوع پر تیس سال کی عمر میں
روح القدس نازل ہوتا ہے اور اسی لئے اس کی عصمت کو اگر مانا جائے تو اسی وقت سے مانی جاتی
ہے لیکن یوحنا پر روح القدس کی پیٹ میں ہی اترا اسلئے تمام سچے عیسائیوں کو چاہئے کہ اسے ابتدا
ہی معصوم مانیں۔ لیکن اناجیل کے ان بیانات کے عین برعکس۔ الفہیم بیبے بنیاد دعوے کرتا ہے
کہ یسوع مادر زاد نبی تھا۔ روح القدس کے نازل ہونے سے پہلے وہ کیونکر نبی ہو گیا کیونکہ روح القدس
کے نازل ہونے کے بغیر نبوت نہیں مل سکتی۔ اور اسلئے مادر زاد نبی کا خطاب یسوع پر تو کسی حالت میں
چسپاں ہو ہی نہیں سکتا اسکا مستحق اگر ہے تو یوحنا ہے جسے یسوع کو پیشہ دیا اور جبرمان کے پیٹ
میں ہی انجیلوں کی شہادت کے مطابق روح القدس نازل ہوا۔ مرقس بھی یوحنا کی شہادت دیتا ہے
کیونکہ وہ کہتا ہے کہ ”ہیروڈیس یوحنا کو بڑا راستہ زاد اور مقدس جانکر اس سے تر تھا“ (مرقس ۶) یہاں
بھی یوحنا کے بیگناہ ہونیکا صاف طور پر اقرار ہے اور چاروں انجیلوں میں ایک بھی آیت ایسی نہیں
جس سے اس کے برخلاف کوئی نتیجہ نکل سکے بلکہ جب اس واقعہ پر غور کیا دے کہ یوحنا بہت سارے
یہودیوں کو جن میں یسوع بھی شامل تھا پیشہ دیکر برکت دی تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے وقت
میں سب سے بڑا راستہ زاد تھا۔ اور یسوع سے بھی افضل درجہ پر اس کی عصمت تھی۔ یہ سب کچھ صرف
انجیلوں کی بنیاد پر ہے +

پولوس لوقا اور مرقس تو یہ شہادت دیتے ہیں لیکن اسکوئس پشت ڈاکٹر الفہیم جرات سے
یہ بیان کرتا ہے کہ یسوع ناصری کے سوا باقی کل کے کل دنیا کو عیسائی گنہ گار مانتے ہیں بلکہ وہ یہ دعوے
بھی کرتا ہے کہ یہودی بھی یہی اعتقاد رکھتے ہیں کیونکہ وہ لکھتا ہے ”بسطح اہل کتاب نے اپنی کتاب سامانی
کی بنیاد پر عصمت انبیاء سے عموماً انکار کیا اسی طرح اہل اسلام کے درمیان بھی محققین گزر چکے“ وغیرہ۔
اہل کتاب میں یہود اور نصاریٰ دونوں شامل ہیں اور اگر مصنف کا اس عبارت سے یہ منشاء نہ بھی ہو
تاہم اس امر کا دیکھنا نہایت ضروری ہے کہ یہود کا عقیدہ کیا تھا کیونکہ اہل عقیدہ وہی ہو اور عیسائیوں نے
صرف یسوع کو خدا بنائیکے لئے یہ عقیدہ کے گھر سے ہیں اور اسہو اسلئے ان عقیدوں کی ان کی اپنی مسلم کتابوں
میں تردید پائی جاتی ہے اسلئے اب بڑے حصہ عیسائی دنیا کے مذہب اور ان کی کتب مقدسہ پر غور کو انکے
بعد ہم یہودیوں کا اعتقاد دیکھتے ہیں۔ یہ امر قابل غور ہے کہ یہودی ایک ایسے مسیح کے منتظر تھے جو ان کے
گذشتہ انبیاء کی مانند ہو۔ اسکا آنا موسوی شریعت کے خاتم کے رنگ میں تھا اور اس لئے وہ خدام ہونے کی
حیثیت میں اپنے آقا نبی اسرائیل کے عظیم الشان شارع اور نجات دہندہ سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا تھا۔

اور ایسی فضیلت اسکو دینا کوئی یہودی روانہ رکھ سکتا تھا۔ یہود کے انتقاد میں حضرت موسیٰؑ اسکا کم درجہ پر ہونا اس امر سے بھی ظاہر ہے کہ اسکے آئینکا بڑا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو دوسرے لوگوں کی غلامی سے نجات دے۔ اگرچہ یسوع نے اتنا بھی نہ کر دکھایا لیکن حضرت موسیٰؑ نہ صرف اسے نجات دہندہ تھے بلکہ انکے شارع بھی تھے جنکے پیچھے ہر پیغمبر چلتا تھا اور جن کی شریعت کے معجزات کو وہ حل کرتا تھا۔ اب جب عیسائیوں کا یہ دعوے ہے کہ جو پیشوا بیان مسیح کے متعلق ہیں وہ مسیح کو معصوم قرار دیتی ہیں تو اسکا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ دوسرے انبیاء کی یہود کے نزدیک معصوم تھے ابتدائی عیسائیوں کی شہادت سے جو مسیح کے متعلق صحیح عقیدے پر قائم تھے جیسا کہ وہ یہودیوں کے درمیان چلا آتا تھا۔ اور ان فرقوں کی شہادت سے جو ابتدائی عیسائیوں کے عقائد کے مطابق قائم ہوئے اس نتیجہ کی جوابدہ بیان کیا گیا ہے کھلی کھلی تائید ہوتی ہے اور اسکے متعلق حوالیات ہم اوپر دے چکے ہیں ان امور کے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ یہودی ایک لمحہ کیلئے بھی یہ خیال روانہ رکھ سکتے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور انکے دوسرے بڑے بڑے انبیاء گنہ گاری کی حالت میں اس دنیا سے گزر جائیں اور لگوں کو ہنسوا پاک کر نیلے لئے مسیح انکے پیچھے آوے بلکہ مسیح کے آنے کی امید بھی صاف صاف الفاظ میں حضرت موسیٰؑ کے بہت مدت بعد یہودیوں کو دی گئی جبکہ وہ مصائب کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے اور ایسے وقت میں یشوایا کی گئیں کہ ایک ایسا بنی آوے گا جو انکو غیر قوموں کی غلامی اور حکومت سے نجات دیکھا کوئی سمجھ دار آدمی ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ شیشؑ نوحؑ ابراہیمؑ اسحاقؑ یعقوبؑ موسیٰؑ اور دوسرے مقدس نبی جنہوں نے مسیح کے آنے کی کبھی کوئی پیش گوئی نہیں کی اور نہ کبھی بنی اسرائیل کو تعلیم دی کہ خدا انسان بن کر آسمان سے اترے گا وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کی نجات ایک شخص کی بھانسی سے ہوگی جو ہزار سال بعد آئے گا۔ جو پیغمبر آئے گا وہ خدا کا حکم لوگوں کو پوچھا کرے اور یہی تعلیم انکو دینا کہ نجات اور گناہ کی غلامی سے آزادی صرف احکام الہی پر چلنے سے مل سکتی ہے اور یہی پاک زندگی ان انبیاء کے طریقہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتی ہے جو خدا کے لئے انکے ذریعہ ظاہر کئے ہیں۔ ایک بھی فقرہ صحف انبیاء میں ایسا نہیں بتایا جاسکتا جس میں کسی نبی نے اپنی امت کو یہ بھی کہا ہو کہ خواہ وہ شریعت کے سارے حکموں کو پورا کریں اور اللہ تعالیٰ کی پوری پوری اطاعت اختیار کریں تاہم ایک حصہ انکے گناہوں کا ایک انسان یسوع کی خاطر باقی رکھ لیا جاوے گا اور اس لئے نفس کی کامل پاکیزگی سمجھنا بالکل بائوس رہنا چاہئے جتنک کہ وہ انسان دنیا میں ظاہر نہ ہو۔ نہ ہی کبھی کسی نبی نے یہ کہا کہ خدا کے احکام کے پورا کرنے کی انسان کو طاقت نہیں دے گی بلکہ برعکس اس کے اللہ تعالیٰ اسرائیلیوں کو یوں فرماتا ہے "مگر تم میرے سب حکموں کو یاد کرو اور انکو عمل میں لاؤ اور اپنے خدا کے لئے مقدس ہو" (گنتی ۲۱) جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہ سب حکموں پر عمل کر سکتے اور خدا کے نزدیک مقدس ٹھہر سکتے تھے اس لئے

اگر انبیاء علیہم السلام نے یہ تعلیم دی جیسا کہ واقعی انہوں نے دی کہ سچی پاکیزگی صرف ان احکام کی پورے طور سے پیروی کرنے سے مل سکتی تھی جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ لوگوں کو دئے تھے تو مسیح کی بنیاد پر عصمت تاکہ وہ دنیا کے گناہوں کو جو ایک پاک اور الہی شریعت سے دور نہ ہو سکے اٹھائے ایک سرسراہٹ اور باطل خیال ٹھہرتا ہے اگر انبیاء علیہم السلام یہ جانتے تھے کہ بڑے سے بڑا کام جو وہ کر سکتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ لوگوں کو نیم فرشتے اور نیم شیطان بنا دیں تو وہ اپنی امتوں کو بھی تو ایسا الہدیتے اور بچھریں جی حالت میں جب کوئی انسان بھی بدکاری سے خالی نہیں تھا تو مومن اور غیر مومن میں خدا یہ فرقان کیون قائم کیا کہ ایک فریق کو تو آسمان سے مدد بھیجی اور اپنی نصرت میں ان کے شامل حال کیں اور دوسرے فریق کو سزاؤں میں مبتلا کیا اور اسی دنیا میں ان کو ذلیل و خوار کیا۔

پھر ایک اور پہلو اس سوال کا ہے یوحنا ۱۴ میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ ”کیونکر ہو سکتا ہے کہ گنہ گار انسان ایسے معجزے دکھائے“ اور پھر آگے چل کر اسی مباحثہ کی ابتدا میں یہ کہا گیا ہے کہ ”ہم جانتے ہیں کہ خدا گنہ گاروں کی نہیں سنتا پر اگر کوئی خدا پرست ہو اور اس کی مرضی پر چلے تو اس کی وہ سنتا ہے“ یوحنا ۱۴۔ ان آیات سے یہودی کے اعتقاد کا واضح طور پر پتہ ملتا ہے۔ کوئی گنہ گار معجزے نہیں دکھا سکتا اور نہ اللہ تعالیٰ کسی کی سنتا ہے جب تک وہ اس کی مرضی کی ہوں پر نہ چلے اگر یہودی اپنے انبیاء کو گنہ گار سمجھتے تو وہ ان کی طرف معجزات کو منسوب نہ کرتے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاء کے صحیفہ زبرست معجزات سے بھرے پڑے ہیں جو انہوں نے دکھائے اس نتیجہ کو کہ گنہ گار معجزات نہیں دکھا سکتا عیسائیوں کو بھی ماننا پڑا کیونکہ جس آدمی کا یوحنا ۱۴ میں ذکر ہے اس نے مسیح کے دعوے کو اسی دلیل پر تسلیم کیا تھا کہ وہ معجزات دکھاتا ہے اور گنہ گار معجزات نہیں دکھا سکتا۔ اگر اس نے اس دلیل پر یسوع کا دعوے تسلیم کرنے میں غلطی کی تو دوسرے لوگ جنہوں نے مسیح کے دعوے کو تسلیم کیا انہوں نے بھی ایسی ہی غلطیوں سے ہی تسلیم کیا ہو گا۔ اور اس طرح پر یہ ماننا پڑے گا کہ مسیح کو جن لوگوں نے قبول کیا وہ سب کسی نہ کسی غلطی میں پڑ کر گمراہ ہو گئے تھے اور نہ ہی اس دلیل پر کہ معجزات جھوٹے بنی بھی دکھا سکتے ہیں اور شیطان کے تو سب سے بھی معجزات دکھائے جاسکتے ہیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انبیاء کا بیگناہ ہونا معجزات سے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جن انبیاء کے معجزات کا بائبل میں ذکر ہے وہ جھوٹے بنی نہ تھے اور نہ ہی شیطان کی طاقت سے وہ معجزات دکھاتے تھے۔ یہ امر یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک مسلم ہے۔ علاوہ ازیں جن الفاظ یا فقرات سے یسوع کی عصمت کی دلیل نکالی جاتی ہو وہی اور ویسے ہی الفاظ اور فقرات دوسرے انبیاء کی نسبت بھی بائبل میں استعمال ہوئے ہیں اور اس لئے یسوع بھی معصوم نہیں یا دوسرے انبیاء بھی اس کی طرح معصوم ہیں۔ حضرت نوح کے متعلق بائبل میں یہ الفاظ ہیں کہ ”نوح اپنے قرون میں صادق اور کامل تھا اور نوح خدا کے ساتھ چلتا تھا“ (پیدائش ۶: ۹)

ابراہیم کو خداوند نے مخاطب کر کے فرمایا "میں خدا کے قادر ہوں تو میرے حضور میں چل اور کامل ہو" (پیدائش ۱)۔ حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تو خداوند اپنے خدا کے آگے کامل ہوگا" اور پھر موسیٰ بہت ہی حلیم تھا روئے زمین کے سب لوگوں سے بڑھکر (استثنا ۱)۔ پھر زبور میں حضرت داؤد خداوند کے مقدس لوگوں کا یون ذکر کرتے ہیں "مبارک وے جو راہ میں کامل رفتار میں اور خداوند کی شرع پر چلنے والے ہیں۔ مبارک وے جو اس کی شہادتوں کو یاد رکھتے ہیں اور اپنے سارے دل اسے ڈھونڈتے ہیں وے بدی بھی نہیں کرتے وے اس کی راہوں پر چلتے ہیں" (زبور ۱۱۹) اور پھر صاوق کامنہ دانائی کی بات کہتا ہے اس کی زبان سے عدالت کا کلمہ نکلتا ہے اسکے خدا کی شریعت اسکے دل میں ہے اسکا پاؤں بھی نہ پھسلے گا" (زبور ۱۳۳) لاوی کے متعلق خداوند تعالیٰ یون فرماتا ہے "سچائی کی شریعت اسکے منہ میں تھی اور اسکے لبوں میں کوئی شرارت پائی نہ تھی وہ میرے ساتھ سلامتی اور راستی سے چلتا رہا اور اس نے بہنو نکو بدی کی راہ سے پھیرا" (ملاکی ۲) لوقا کے الفاظ ذکر کیا گئے متعلق کہ وہ خداوند کے تمام احکام پر چلتا اور بے عیب تھا اور مرقس کے الفاظ جو خداوند کے متعلق کہ وہ راست باز اور مقدس تھا پہلے نقل ہو چکے ہیں۔ اس قسم کے حوالے بائبل سے بکثرت دئے جاسکتے ہیں لیکن بالفعل اسی قدر کافی ہونگے ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بائبل میں اگر یسوع کو بے عیب اور حلیم اور بدی نہ کرنے والا اور راست باز کہا گیا ہے تو یہی کلمات اور ان سے بھی بڑھکر دوسروں کی نسبت موجود ہیں اور اسلئے عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ یسوع کے سوا باقی سب گنہ گار ہیں اور اکیلا یسوع ہی بیگناہ ہے محض یسوع کی خدائی کی تائید کے لئے گھڑ لیا گیا ہے اور اب بھی عیسائیوں کی ایک کثیر تعداد یسوع کی طرح کسی اور انسان کو بھی بیگناہ مانتی ہے خواہ وہ یم ہو جو عیسائیوں کے مجاورہ میں خدا کی مان "ہے یا کوئی اور ہو کیونکہ اگر یسوع کے سوا ایک بھی اور انسان بیگناہ ٹھہ جائے تو پھر یسوع کی یکتائی اور اسکے کفارہ کی ضرورت اور اٹھ پر پانی پھر جانا ہے۔ رومن کیتھولک یم کی عصمت کے لئے جو دلیل دیتے ہیں وہ نہایت سیدھی ساونھی دلیل ہے۔ اگر اصلی گناہ موروثی ہے تو ضرور ہے کہ یسوع کو بھی اپنی مان کے ذریعہ اسکا کچھ نہ کچھ حصہ ورثہ میں ملا ہو جنک کہ یہ نہ مان لیا جاوے کہ یم بھی بیگناہ تھی اسلئے یم کی عصمت یسوع کی عصمت کیلئے نہایت ضروری ہے مان یہ سوال ہو سکتا ہے کہ پھر یم کے والدین بھی معصوم ہونے چاہئے کیونکہ انکے بغیر یم معصوم نہیں ہو سکتی اور اسی طرح آدم تک سارا سلسلہ بیگناہ اشخاص کا ہونا چاہئے اگر اس زنجیر کی ایک کڑی ابھی ٹوٹ جاوے تو ساری زنجیر ٹکمی ٹھہرتی ہے پس موروثی گناہ کو مان کہہ اکیلے یسوع کو معصوم ماننے والوں اور یسوع کے ساتھ یم کو بھی معصوم ماننے والوں میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کون زیادہ بیہودگی کا مرتکب ہو مان دونوں فرق میں سے ہر ایک اپنی بات کو بالمقابل یاد معقول کہہ سکتا ہے۔

اس کے بعد الف میم نے کیفیت عصمت پر کچھ بحث کی ہے جسے وہ ہماری عصمت کی تعریف قرار دیتا ہے وہ انبیاء کی حالت کا ایک نقشہ تھا کہ ان کے اقوال و افعال سب الہی سرچشمہ سے ہوتے ہیں اور ان کے اپنے نفس کی خواہشات کا نتیجہ نہیں ہوتے کچھ تعجب نہیں اگر یہ بات الف میم کی سمجھ میں نہ آسکے اور وہ اس پر اعتراض کرے۔ روحانیت کا وہ اعلیٰ مقام جس پر اسلام انسان کو پہنچاتا ہے عیسائیوں کی سمجھ سے برتر ہے کیونکہ ان کے روحانی قوسے ایک انسان کی خدا کی کے جھوٹے عقیدہ اور اسکے خون پر جھوٹے بھروسہ کے باعث مرجھ چکے ہیں وہ نہ صرف اعمال میں ہی مردہ ہیں بلکہ ایمان میں بھی مردہ ہیں اور اس لئو روح القدس کی روشنی ان کے اندر سے بجھ چکی ہے۔ قرآن شریف میں بکثرت ایسی آیات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے برگزیدہ نبی ایسے اس کی محبت میں کھوئے ہوئے ہوتے ہیں کہ خدا کے سوا کسی چیز بلکہ ان کی اپنی ہستی بھی ان کی نظر میں کالعدم ہوتی ہے ان کی اپنی خواہشات اور نفسانی جذبات پر ایک موت وارد ہو چکی ہوتی ہے اور اس لئے جب وہ بولتے یا کوئی کام کرتے ہیں تو اپنی خواہش یا نفسانی جذبہ سے نہیں کرتے یہ روحانیت کا سب سے اعلیٰ مقام ہے اور اس مقام میں روح القدس کی روشنی سے بھر کر انکا ہر ایک قول و فعل روح القدس کی ہدایت سے ہوتا ہے۔ نیکی ان کی فطرت ہو جاتی ہے اور نیکی ارادے ایسے کامل طور پر خدا کے تصرف میں اور اس کی مرضی کے تابع ہوتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہتے یا کرتے ہیں وہ سب الہی تصرف سے اور اس کی مرضی سے کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس اعلیٰ مقام کی شہادت بکثرت موجود ہے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ **وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ**۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کوئی بات منہ سے نہیں نکالتے بلکہ جو کچھ بولتے ہیں خدا کے بلائے بولتے ہیں اور ابھر فرماتا ہے **وَمَا رِسِيَتْ أَوْ رَمِيَتْ وَلَكِنْ أَمْرٌ مِّنِّي يُنْفِي** جو کچھ فعل وہ کرتے ہیں وہ ان کا فعل نہیں بلکہ خدا کا فعل ہے۔ ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال انسانی خواہش کا نتیجہ نہیں تھے بلکہ الہی سرچشمہ سے نکلتے تھے پھر قرآن کریم صاف الفاظ میں انسان کی تین حالتیں بیان کرتا ہے سب سے پہلی حالت نفسانی خواہشات کے غلبہ کی ہے جسکو قرآن کریم میں نفس امارہ کے نام سے موسوم کیا ہے اسکے بعد دوسری حالت وہ ہے جب انسان کی نیک خواہشات اس کی بد خواہشات کا مقابلہ کر کے ان پر غالب آتی ہیں چونکہ یہ حالت ایک کشمکش کی حالت ہوتی ہے اس لئے اس میں انسان کبھی کبھو کر بھی کھاتا ہے مگر جلدی منتہل جاتا ہے لیکن یہ روحانی ترقی کا آخری مقام نہیں ہے۔ جو انسان اسی حالت میں مطمئن ہو جاتا ہے اور اسی مقام کو مجاہدات کا انجام خیال کرتا ہے وہ سخت دھوکے میں پڑا ہوا ہے۔ ابھی روح القدس کی روشنی نے پورے طور پر اسکو روشن نہیں کیا ہوتا اور نہ شیطان

اس سے پورے طور پر پائوس ہوتا ہے۔ اس کے ارادے اور خواہشیں ابھی پورے طور پر خدا تعالیٰ کے تابع نہیں ہوئے اور نہ ہی اسکے نفسانی جذبات پر نگلی موت وارد ہوئی ہے جو لوگ سچے خدا کو نہیں پہچانتے اور اسکے اس کی طاقت اور جلال کے سامنے اس طرح نہیں جھک سکتے جس طرح انہیں جھکنا چاہئے اس ناقص اخلاقی حالت میں ہو جائیں تو ہو جائیں لیکن خدا تعالیٰ کے کیا تھو سچا غلو جو مذہب کا اصل مقصد اور غرض ہو وہ ابھی بہت دور بڑا ہوا ہے۔ جب ایک انسان روحانی ترقی کے اعلیٰ مدارج پر پہنچتا ہے تو بدی کی تمام تشنیں مغلوب ہو جاتی ہیں اور الہی نور سے انسان بھجھتا اور روح القدس اس کا دائمی رفیق ہو جاتا ہے اسکے ارادے خدا تعالیٰ کی مرضی کے پورے طور پر تابع ہو جاتے ہیں اور اسکے ایسے مقام پر اس کی نسبت یہ کہنا غلط نہیں ہوتا کہ وہ اس طرح خدا کے تصرف تام میں ہوتا ہے جس طرح ایک کل انسان کے تصرف میں ہوتی ہے۔ یہ ایک عجیب اعتراض ہے (ہاں اگر ایک عیسائی کے منہ سے نکلے تو کچھ تعجب بھی نہیں) کہ اگر انسان کے ارادے خدا کے کامل طور پر تابع ہو جاوے اور خدا کی مرضی سے اسے موافقت تامہ حاصل ہو جاوے تو پھر وہ فاعل فی اختیار نہ رہا۔ ایسے اعتراض سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مقررہ تشنیں سمجھ سکتا کہ روح القدس کیونکر انسان کے اندر کام کرتا ہے اور انسان کا روحانی کمال کیا ہے۔ اسلام وہ مذہب ہے کہ ایک لفظ میں ہی اپنے نام کے اندر اس ساری حقیقت کو ظاہر کر دیا ہے کاش غیسا ئی دیکھ سکتے کہ وہ کن غلطیوں میں مبتلا ہیں اور وہ سچا ایمان کیسی مبارک ہیں جو اسلام سکھاتا ہے۔ ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ انکو نجات مل گئی ہے جبکہ نجات کی اصلی حالت سے جو اسی دنیا میں انسان کو ملتی ہو وہ اس قدر ناقص اور بے بہرہ ہیں کہ اس پر اعتراض کرتے ہیں کیونکہ حقیقی نجات کیا چیز ہے وہ کامل اطمینان اور سکینت کی حالت ہے۔ جب انسان بدی کی طاقت سے پورے طور پر تابع ہو کر اور اسکے ارادے سے موافقت تامہ حاصل کر کے کامل خوشحالی اور سچی خوشی حاصل کرے لیکن عیسائی اس حالت سے ایسے ہی بے خبر ہیں جیسے کہ وہ سچے خدا سے بے خبر ہیں اور ان کا اعتراض کرتا کچھ تعجب کی جگہ نہیں ان کی عقلیں اس بات کو تو سمجھ سکتی ہیں کہ ایک آدمی کیونکر ساری دنیا کے گناہ اٹھا کر سب کو آزاد کر گیا اور کس طرح باوجود اسکے کہ وہ گناہ کرتے ہیں اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں ان کو نجات مل گئی ہے لیکن سچی نجات جو گناہ سے آزادی اور روح کی پاکیزگی کا نام ہے وہ ان کی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ الف تیمم کی اس نمدی کا جواب کہ قرآن شریف کی وہ آیتیں بتلائی جاوے جس میں انسان کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچ جانیکا ذکر ہو۔ صرف اس قدر کافی ہو کہ اگر اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی نیک گہتی ہوتی تو وہ یہ نمدی نہ کرتا کیونکہ جہان سے اس نے عبارت نقل کی ہے عدا آیت کے اور قرآن شریف کے ذکر کہ چھوڑ کر باقی عبارت نقل کی

میں اس طرح بتلائی جاوے اور اس کا جواب کہ قرآن شریف کی وہ آیتیں بتلائی جاوے جس میں انسان کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچ جانیکا ذکر ہو۔ صرف اس قدر کافی ہو کہ اگر اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی نیک گہتی ہوتی تو وہ یہ نمدی نہ کرتا کیونکہ جہان سے اس نے عبارت نقل کی ہے عدا آیت کے اور قرآن شریف کے ذکر کہ چھوڑ کر باقی عبارت نقل کی

چنانچہ وہ لکھتا ہے: ”انہوں نے عصمت کی تعریف یہ بتلائی ہے... الخ“ حالانکہ جہاں یہ مضمون ہو وہ عبارت اس طرح پر چلتی ہو (جلد ۲ صفحہ ۷) ”قرآن شریف میں بکثرت ایسی آیات موجود ہیں جنہیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی اپنی ہستی کچھ نہیں ہوتی بلکہ وہ اس طرح کبھی خدا کے تصرف میں ہوتے ہیں جس طرح ایک کل انسان کے تصرف میں ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے۔ قل ان صلوٰتی و نکی و مچمای و ممائی للہ رب العالمین... الخ“ اب یہ کیسی ایمان داری ہو کہ آیت کو اور قرآن شریف کے ذکر کو بالکل اور عمدتاً ترک کر کے سختی یہ کی ہے کہ کوئی آیت پیش نہیں کیا گیا ہے اسی مضمون کے جو استغفار پر لکھا گیا ہے۔ صفحہ ۷۱ پر اور عصمت کی بحث میں دوسرے اکثر مقامات پر ان آیات کا حوالہ دیا گیا ہے جسے پایا جاتا ہے کہ انبیاء کے اقوال و افعال سب الہی سرشت سے ہوتے ہیں اور بار بار ان آیتوں کا نقل کرنا صرف موجب طوالت ہے اس جگہ انا بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ یہ حالت انبیاء کی استغفار کے کسی طرح منافی نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ حالت دائمی استغفار کی حالت ہوتی ہے یعنی حفاظت الہی طلب کر نیکی۔ جب انسان اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے ارادہ اور مرضی کے تابع کر دیتا ہے تو وہ یہ سمجھ کر کرتا ہو کہ وہ اپنی طاقت سے کوئی نیکی کا کام نہیں کر سکتا۔ اور اسلئے اپنے آپ کو الہی آستانہ سپرد دیتا ہے اور سب طاقت اس طاقتوں والے خدا سے طلب کرتا ہے اسلئے اس کو اس طاقت کے سرشت سے استغفار کے ذریعہ سے غذامتی ہو۔ اور پھر جو طاقت اسکے اندر کام کرتی ہو وہ اس کی اپنی طاقت نہیں ہوتی بلکہ خدائی طاقت ہوتی ہو۔

اس کے بعد ہم کس قدر اس اصول پر بحث کریں گے جو قرآن کریم کے معنی کریمین مانجور رکھنا چاہئے جولائی کے پرچم میں جو کچھ اسکے متعلق ہم نے لکھا تھا اس کو الف میم نے اپنے مطلب کے لئے لگا کر کچھ کاٹ کر نکال دیا ہے۔ ہم نے کبھی یہ نہیں لکھا کہ قرآن شریف میں جب ایک لفظ ایک ہی معنی میں دوسری ہر موقع پر اسکے وہی معنی لینے چاہئے ہم نے یہ لکھا تھا جیسا کہ الف میم نے اپنی کتاب میں نقل بھی کیا ہے کہ ”قرآن شریف خود اپنی تفسیر آپ کرتا ہے اور اسکے بعض حصے دوسروں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ جواب دیتے وقت ہم صرف قرآن کریم کے الفاظ کو ہی پیش کریں گے اور معنی کریمین انہیں مضمون کو صحیح سمجھیں گے جو قرآن شریف کے دوسرے حصوں کے مخالف نہ ہوں اور جن کا مؤید خود قرآن شریف ہو“ یہ وہ اصول ہے جسے خود قرآن شریف نے بیان کیا ہے اس سچے اور صحیح اصول کو الف میم لگا کر یوں بناتا ہے کہ جب قرآن شریف میں کسی موقع پر ایک لفظ ایک خاص معنی میں استعمال ہوا ہو تو دوسری جگہ بھی اس لفظ کے وہی معنی لائے جائیں گے۔ حالانکہ جب کوئی لفظ مختلف معانی برداشت کر سکتا ہو تو اس وقت اسکے معنی کسی خاص عبارت میں کر نیکی کے لئے خاص امور پر غور کرنا ہو گا مثلاً قرآن کریم آیا ہے کہ شیطان کہتا ہے لا غویمہم جمعین الاعباد وک منہم المخلصین۔ میں ان سب کو گمراہ کروں گا سو اے تیرے مخلص عباد کے یہاں ان جو لفظ گمراہ کر نیکی

لئے استعمال کیا گیا ہے وہ ”غوے“ ہے جسکے معنی ہیں غلطی کرنا یا سیدھے راہ سے انحراف کرنا اور
 مایوس ہونا یا اپنی خواہش کو حاصل نہ کر سکرنا وغیرہ وغیرہ اور اغوا کے معنی گمراہی میں ڈالنا وغیرہ وغیرہ
 انہی معنوں سے لئے ہوئے ہیں۔ اسلئے لفظ اغوینہم کے معنی گمراہی یا غلطی میں ڈالنے کے ہوئے۔
 لیکن ان لوگوں میں سے جنکو شیطان گمراہی میں ڈال سکتا ہو ایک خاص گروہ مستثنیٰ کیا گیا ہو اور وہ
 گروہ خدا کے ان خاص بند و نگاہ جنکو مخلصین کے نام سے یاد کیا گیا ہو جس لفظ کے معنی لین کی
 ڈکٹری میں اس طرح پرکے ہیں کہ خدا کے وہ برگزیدے جو ہر ایک الالیش سے پاک ہیں اسلئے یہ جات
 ایسی ہو جنکو شیطان گمراہ نہیں کر سکتا چنانچہ اللہ تعالیٰ بھی استحکام فرماتا ہے ہذا صراط علی مستقیم
 ات عبادی لیس لک علیہم سلطان۔ گویا خداوند تعالیٰ شیطان کو فرماتا ہو جو میرا ہو گیا اسکو تو نہیں
 بہکا سکتا اور نہ تو اسپر قابو پا سکتا ہے اسلئے یہ صفائی سے ثابت ہو گیا کہ قرآن کریم خدا کے برگزیدہ
 بندوں کی ایسی جماعت بیان کرتا ہے جو ہر الالیش سے پاک ہیں جن پر شیطان کا کوئی قابو نہیں
 چل سکتا۔ اور جنہیں وہ صراط مستقیم سے ایک بال کے برابر بھی نہیں پھیر سکتا یہ مظاہر ہو اور اس پر بحث
 کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ اس ممتاز جماعت میں سب پہلے انبیاء کا گروہ ہی شامل ہو۔ اب قرآن شریف
 نے ایک اور جگہ فرمایا ہے ان اللہ اصطفیٰ آدم و نوحاً الخ کہ خدا نے اپنے بندے آدم اور نوح...
 کو چن لیا اور برگزیدہ کیا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آدم کو بھی برگزیدہ نہیں سو قرار دیتا
 ہے اور پہلی آیت سے ظاہر ہے کہ شیطان برگزیدہ ہو گیا ہو کہ انہیں سکتا۔ یہ نتائج ایسے روشن ہیں جس طرح
 سورج اور ان الفاظ کے سوائے ان معنوں کے اور کوئی معنی بھی نہیں ہو سکتے اسلئے یہ آیت محکمات میں
 سے ہے۔ متشابہات کے معنی کرنے میں اس آیت کو مد نظر رکھنا ہو گا یعنی جہاں کسی آیت کے معنی و طرح
 سے ہو سکتے ہوں تو وہ معنی اختیار کرنے ہونگے جو اس آیت کے معنوں سے مطابقت رکھتے ہوں۔
 چنانچہ اس اصول کو مد نظر رکھ کر اب ہم آیت عصیٰ آدم ربہ فتویٰ کے معنی کرتے ہیں یہاں اگر لفظ غوی
 کے معنی وہی لئے جاویں جو آیت مذکورہ بالا میں لئے ہیں تو صاف ظاہر ہو کہ دونوں آیتیں ایک دوسرے
 کی نقیض ہوں گی اس لئے ایسے معنی کرنے پر کہنے کے برابر ہیں کہ قرآن شریف کا ایک حصہ دوسرے کو
 روکتا ہو حالانکہ جو اصول قرآن شریف ہمیں بتاتا ہو وہ یہ ہو کہ قرآن شریف کا ایک حصہ دوسرے کا موافق ہے
 اور قرآن شریف میں اختلاف جائز نہیں جیسا کہ فرمایا لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً
 گویا قرآن کریم نے الف صمیم جیسوں کی بیہودہ حرکات اور زلزلہ جینی کا جواب پہلے سے یوں دے رکھا ہو کہ کچھ
 تو دعوے ہے خدا کی طرف سے ہونی کا پس مجھ میں اختلاف کیوں تجویز کرتے ہو۔ میں خدا کی طرف سے ہوں اور
 مجھ میں کوئی اختلاف نہیں۔ اب پہلی آیت سے یہ تو قطعی فیصلہ ہو گیا کہ اس آیت متنازعہ فیہا میں لفظ غوی
 کے معنی گمراہ ہو جائیکے نہیں ہو سکتے کوئی معنی ہونے چاہئے یہ ممکن ہی نہیں کہ پہلے تو خدا تعالیٰ کہے۔

کہ میرے برگزیدہ بندو کو شیطان گمراہ نہیں کر سکتا اور پھر کہے کہ آدم کو جو میرا برگزیدہ بندہ تھا شیطان نے گمراہ کر دیا۔ لیکن لفظ غوی کے اور معنی بھی ہیں چنانچہ لسان العرب کے علاوہ اب ہم لہین صاحب کی دکنٹری پیش کرتے ہیں جس میں غوی کے یہ معنی بھی لکھے ہیں کہ اس کی زندگی مصیبت میں پڑ گئی (یعنی اسکے آرام میں خلل آگیا) یا وہ مایوس ہو گیا اسلئے دوسری آیت میں ان معنوں میں سے کوئی معنی لفظ غوی کے ہم کر سکتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ یاد رکھنا چاہئے کہ گمراہ ہونیکا مفہوم قطعاً ان معنوں سے خارج ہے کیونکہ یہ مفہوم پہلی آیت کے مضمون کے خلاف ہے۔ معنی میں اس فقرہ کے کہ قرآن شریف کا ایک حصہ دوسرے پر روشنی ڈالتا ہے اب یہ ایک ایسی دلیل ہو کہ ہر مفسر کی رائے بھی اسکے خلاف کچھ نہیں کیونکہ مفسرون کی رائے وحی الہی نہیں ہیں اور قرآن شریف کی صریح آیت کی تکذیب کرنا یا اس میں اختلاف ڈالنا اس طریق کو کوئی مسلمان اختیار نہیں کر سکتا۔ چونکہ الفہم اس وقت قرآن شریف پر اعتراض اسکی سچائی کو مانکر کر رہا ہے اسلئے اسے انہیں باتوں کا پابند ہونا ضروری ہے جنکا پابند ایک مسلمان ہو گا۔

آیت لا تخونہم اجمعین الا عبادک المنہم المخلصین سے اور بڑے بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں قطعی طور پر اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ خدا کے برگزیدہ بندو کو شیطان راہ راست سے کبھی نہیں پھیر سکتا۔ اگر قرآن شریف میں اور کوئی آیت ایسی نہ بھی ہوتی جس سے انبیاء علیہم السلام کی عصمت ثابت ہوتی تاہم یہ ایک ہی آیت ان سارے نتائج کی تردید کے لئے کافی تھی جو اسکے خلاف لکائے جاتے ہیں کسی نبی کے متعلق قرآن کریم نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں انکے معنی کرنے میں ہم صرف اس حد تک آزادی ہو کہ کوئی ایسے معنی انکے نہیں ہو سکتے جنسے کسی نبی کی طرف گناہ کا ارتکاب کرتا پڑے کیونکہ اس آیت کے معنی تو سوائے اسکے کچھ اور ہو ہی نہیں سکتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ایک خاص جماعت کو شیطان کے قابو سے باہر رکھا لہذا خالص اپنے بٹالیا ہو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ دو لفظ ہیں جنسے اس جماعت کو بیان کیا گیا ہے یعنی عبادک اور المخلصین۔ عبادک سے مراد خدا کے عبد ہیں اور عبد کے معنی پوری فروتنی اور عاجزی سے اطاعت کر نیکے ہیں اسلئے عبد کے معنوں میں عاجزی سے پوری پوری اطاعت کا مفہوم لازمی ہو اور عبد کے معنی ہیں غلام جو آقا کے ہر ایک حکم کو ماننا اور اس کی پوری فرمانبرداری اختیار کرتا ہے۔ لہذا عبادک سے مراد وہ بندے ہوئے جو پوری عاجزی اور فروتنی سے خدا کے ہر ایک حکم کو مانتے ہیں اور اسکے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے (لفظ عباد صیغہ جمع ہے۔ یہ ہم اس دور سے بیان کرتے ہیں کہ مباد الفہم کہہ دے کہ اس جگہ مراد صرف عیسائے سے ہے) اگر شیطان نے یہ لفظ بھی کہہ ہوئے کہ خدا یا تیرے مخلص عباد پر مجھے کوئی قابو نہیں تاہم لفظ عباد ہی اس بات کو بتا رہا ہے کہ وہ خدا کے پورے پورے فرمانبردار ہیں اور اسلئے شیطان کے فرمانبردار نہیں ہو سکتے۔ شیطان کی فرمانبرداری کرنیوالو کو قرآن شریف میں عبد الطاعت کہہ لیا ہے جس طرح پر عبد الطاعت شیطان کی فرمانبرداری

کرتے اور خدا کے حکمون کی خلاف ورزی کرتے ہیں اسی طرح پر عباد اللہ صرف خدا کے احکام کو مانتے ہیں اور شیطان کا ایمن کوئی حصہ نہیں ہوتا اس لئے وہ انکو گمراہ نہیں کر سکتا۔ لفظ المخلصین کا استعمال جو عباد کی تعریف میں ہوا ہے اس مضمون پر اور بھی روشنی ڈالتا ہے اسکا مادہ خالص ہر جسکے معنی صاف ہونا پاک ہونا ہر ایک ملاوٹ سے پاک کھوٹ سے پاک ہونا امن یا حفاظت میں ہونا یا آزاد ہونا ہیں اس لئے مخلصین وہ لوگ ہیں جو ہر ایک میل کچیل سے اور کھوٹ سے پاک کئے گئے ہوں اور شیطان سے جو ہلاک کرتا ہے محفوظ کئے گئے ہوں۔ چنانچہ اخلص خالص للہ العمل کے معنی ہیں لہ اسکا عمل جو خدا کے لئے اس نے کیا ہر ایک کھوٹ اور ملاوٹ سے پاک تھا اور خالص خدا کیلئے ہی تھا اور اخلصنا ہم بخالصتہ ذکر می الدار جو قرآن شریف میں آیا ہے اسکے بھی یہی معنی ہیں کہ ہمارے انکو ایک نہایت پاک صفت سے پاک کر دیا ہے اور وہ کیا ہے دار آخرت کا یاد رکھنا۔ اس لئے لفظ المخلصین کا عباد کی صفت میں لانا صاف اس بات کو بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ اطاعت کا جو مفہوم عباد میں پایا جاتا ہے وہ ایسی اطاعت نہیں جس میں غیر کی اطاعت بھی ملی ہو بلکہ وہ اطاعت خالص خدا کی اطاعت ہے اور اس میں کسی دوسرے کا کوئی حصہ نہیں مخلص جسکی جمع مخلصین ہوا اسکے معنی جو لینے اپنی ڈکٹری میں کئے ہیں وہ ہم پہلے دیکھے ہیں کہ اسکے معنی ہیں وہ جسے خدا نے چن لیا اور جو ہر ایک قسم کی آلائش سے پاک ہے اور یہ بھی اسکے معنی ہیں کہ جو وہ کہے یا کرے اپنے قول و فعل میں خالص اور بالکل پاک ہو۔ اب یہ بات نہایت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ شیطان کا قابو ان لوگوں پر نہیں چل سکتا جو خدا کے ہاتھ سے پاک اور محفوظ کئے گئے ہوں اور جبکہ فطران ایک پاکیزگی نفس کی عطا کی گئی ہو جو ان سے جدا نہیں ہو سکتی اور جسکے دلوں کو ہر قسم کی بدی کے خیال سے محفوظ کیا گیا ہو۔ ایسے لوگوں پر شیطان کا کوئی تصرف نہیں ہو سکتا اور وہ پیدائش سے ہی پاک اور معصوم ہوتے ہیں اس تمام بحث کا یقینی نتیجہ ہے کہ ان لوگوں کی طرف گناہ ہرگز مشور نہیں ہو سکتا جو عباد اللہ اور مخلصین کہا گیا ہے خصوصاً اس حالت میں جب کہ کوکر یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ شیطان کا اپنی کوئی تصرف نہیں اور وہ بھی شیطان کی اطاعت نہیں کرتے۔ جو کچھ ہم نے اوپر لکھا ہے اس سے نہ صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ لفظ عوی جہان حضرت آدم کیلئے استعمال ہوا ہے اسکے معنی وہاں گمراہ ہو چکے نہیں بلکہ اس سے صاف طور پر یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء جو سے پہلے مخلصین میں شامل ہیں بالکل معصوم ہیں۔ اور اس لئے قرآن شریف کی بہت سی آیتوں کے معنی کرتے ہیں اس اصول کو مدنظر رکھنا ہوگا جو قرآن کریم نے ایک جگہ بیان کر دیا ہے اور ایسے صاف الفاظ میں بیان کیا ہے جسکے معنی میں کسی تاویل یا شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی یہی ہماری مراد تھی جب ہم نے کہا تھا کہ قرآن شریف بعض بعض کی تفسیر کرتا ہے مگر الف میم

نے اسکو توڑ کر کچھ کا کچھ بنانا چاہا ہے اور وہ اس سے مراد یہ سمجھتا ہے کہ جب قرآن شریف میں ایک جگہ ایک لفظ کسی خاص معنی میں مشغول ہو جائے تو پھر ہر جگہ اس لفظ کے وہی معنی لینے ہونگے لیکن یہ اصول ہمارا بیان کردہ نہیں نہ کوئی سمجھ دار آدمی اس سے متفق ہو سکتا ہے کیونکہ ہر جگہ لفظ کے معنی کرنے میں مختلف باتوں پر غور کرنا ہو گا یہ نہیں کہ ایک جگہ ایک معنی آگئے تو اب اندھا دھند ہر جگہ وہی معنی لگاتے چلے جائیں ہم اس کی اور بہت سی مثالیں دے سکتے ہیں لیکن بالفعل صرف ایک مثال اور دیگر ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

یہ مثال لفظ ظالم کے متعلق ہے۔ قرآن شریف کی سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اذابتلی ابراہیم ربہ بکلمات فانتہن قال انی جاعلک للناس اماما قال من ذرتی قال لا ینال عہدی الظالمین۔ ترجمہ۔ اور جب ابراہیم کو اسکے رب نے احکام بھیج کر آزمایا تو ابراہیم نے ان سب احکام کو پورا کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تجھے لوگوں کے لئے امام بناؤں گا۔ ابراہیم نے عرض کیا اور میری ذریت میں سے بھی فرمایا ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچتا۔ چونکہ لفظ ظالم مختلف معنوں میں آیا ہوا اسلئے اسکے پہلا امر قابل غور آیت مذکورہ بالا میں یہ ہے کہ لفظ ظالم سے یہاں کیا مراد لی گئی ہے مضمون آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے جب دیکھ لیا کہ وہ اسکے پورے طور پر فرمانبردار ہیں اور احکام الہی کی بجا آوری میں ان کی طرف سے کوئی کوتاہی نہ دیکھی تو عنایت الہی نے انکو اس قابل دیکھ کر امانت یعنی نبوت کا منصب عطا فرمایا۔ پھر جب حضرت ابراہیم نے دعا کی کہ میری اولاد میں سے بھی نبی مبعوث فرمائے جاوے تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں میں نبی تو بناؤں گا لیکن انکو نہیں جو ظالم ہوں اس لفظ اسجگہ معنوں کا فیصلہ کر نیکیے لئے ہمیں دیکھنا ہے کہ حضرت ابراہیم نے کیا کام کیا تھا جو انکو نبوت عطا ہوئی تھی کیونکہ لفظ ظالم میں اسکا خلاف ہونا چاہئے وہ کام احکام الہی کی کامل طور پر فرمانبرداری تھی جسکا اسی آیت میں ذکر ہے اسلئے لفظ ظالم سے مراد امثالہ اسجگہ پر یہی ہوئے کہ جس سے احکام الہی کی کامل فرمانبرداری میں کوئی نقص نہ ہو۔ اب لغت کو دیکھنے سے معلوم ہو گا کہ ظالم کے ایک معنی یہ ہے جو اس آیت سے ثابت ہوتے ہیں پس اس میں کوئی شک نہیں کہ ظالمین سے اس جگہ وہ لوگ مراد ہیں جو کسی حکم الہی کی عداوت و رزی کرتے ہیں اب اس لفظ کے معنوں کا فیصلہ ہو جائیگا ایک نیا ہیئت ضروری اور یقینی اصول ہمارے ہاتھ میں آجانا ہے۔ ابراہیم کو حکم ہوتا ہے کہ تیری اولاد میں سے اسی کو نبی بناؤں گا جو میرے حکم کو کامل طور پر فرمانبردار ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسکو ایک عام رنگ میں بیان کیا ہے کہ لا ینال عہدی الظالمین جسکے معنی یہ ہوئے کہ میرا عہد ظالموں کو بھی نہیں پہنچتا۔ اسلئے یہ معنی تو ہو ہی نہیں سکتے کہ اس سے پہلے خدا تعالیٰ ظالموں کو نبی بنا دیا کرتا تھا مگر اب آئندہ کے لئے اس نے ایک نیا اصول بنا دیا ہے خدا کا قانون ان ٹل اور لا تبدیل ہیں خود حضرت ابراہیم کو بھی

اولاد کے ساتھ یہ وعدہ ہوتا ہے اس وقت نبوت عطا ہوئی جب انہوں نے احکام الہی میں کامل فرمانبرداری دکھائی
چنانچہ ان کے متعلق لفظ ہمین فائز ہے یعنی سب کے سب احکام کو پورا کیا اور خدا کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کیا اس لئے
خدا تعالیٰ نے یہاں اپنی ایک سنت بیان کی ہے کہ میں ظالموں کو بھی نبی نہیں بناتا۔ اب اگر ہم اسی کلام میں
جس نے خود یہ اصول بیان کیا ہے کسی نبی کے متعلق لفظ ظلم کا استعمال پاوین تو ہم اس کے معنی حکم الہی
کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے کیونکہ ایسے معنی قرآن شریف کے اپنے بیان کردہ اصول کے نقیض ہیں۔
بلکہ ایسے موقع پر لفظ ظلم کے اور کوئی معنی کرینگے کیونکہ یہ لفظ ایسا ہے کہ اس کے مختلف معنی ہوتے ہیں اس آیت سے
ہمیں صرف یہی پتہ نہیں لگتا کہ قرآن شریف میں اگر کسی نبی کے متعلق لفظ ظلم کا استعمال ہوا ہو تو اس کے کیا
معنی ہونے چاہئے بلکہ یہ ایک قطعی شہادت انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر ہے اور اس لئے ہم اس سے
ان تمام آیتوں کے معنی کرنے میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں جسے ہمارے مخالف انبیاء کے گنہگار ہونیکا استدلال
کرتے ہیں۔ اب جو کوئی کہے کہ معنی کرنے میں یہ اصول مد نظر نہیں رکھنا چاہئے بلکہ اگر لفظ ظلم ایک جگہ ایک
معنی میں استعمال ہوا ہے تو ہر جگہ قرآن شریف میں اس کے وہی معنی مراد لینے چاہئے تو یہ محض حماقت
ہے ہمارا فرض ہے کہ قرآن شریف کے معنی کرنے میں اس امر کو مد نظر رکھیں کہ ایک آیت کا مضمون دوسرے
کے خلاف نہ ہو۔ اگر اس اصول کو مد نظر رکھ کر قرآن شریف کے الفاظ کے معنی کئے جاوین تو وہ تمام آیتیں
جسے انبیاء کے گنہگار ہونیکا استدلال کیا جاتا ہے بالکل صاف ہو جاتی ہیں۔ سچا اصول یہی ہے کہ قرآن شریف
کا کوئی حصہ دوسرے کے مخالف نہیں اور اس لئے جب اس میں ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ انبیاء ہر
قسم کی الالہیت سے پاک ہوتے ہیں اور شیطان ان کو راہ راست سے بھیر نہیں سکتا اور کوئی خدا کے حکم
کی نافرمانی کر نیوالا کبھی نبی نہیں ہو سکتا تو پھر کسی لفظ یا آیت سے اس کے خلاف نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا
اگر معترضین اس اصول کو مد نظر رکھ کر اعتراض کرتے تو اپنے سارے اعتراضوں کا جواب انکو خود قرآن شریف
سے ہی مل جاتا۔ اصل بات یہ ہے کہ کسی زبان کے الفاظ کا مختلف معانی کے لئے استعمال ہونا زبان کی
بڑی خوبی ہے لیکن اسی بات پر معترض بھٹو کر کھا رہے ہیں عربی زبان اس بارے میں ہر ایک زبان
پر فوقیت رکھتی ہے اور معترضین بھی اس سے بے خبر نہیں ہیں لیکن اپنے پیشینہ کنیاطر انکو یہ سب کام کرنے
پڑتے ہیں۔ وہ اپنی کتابوں میں یہ لکھا ہوا پڑھتے ہیں کہ خود مسیح نے بطرس حواری کو شیطان کہا لیکن
اس میں انکو کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا مگر جب حضرت آدم کے متعلق لفظ ظلم انکو مل جاتا ہے تو اسکو ٹری فتح
سمجھتے ہیں کہ اب آدم گنہگار ہو گیا حالانکہ خود قرآن شریف ایسے صریح اور صاف الفاظ میں جن کے اور کوئی
معنی ہو ہی نہیں سکتے یہ فرماتا ہے کہ خدا کے نبی کبھی خدا کے حکم کے خلاف نہیں چلتے اور لفظ ظلم کے ایسے معنی
لغت کی کتابوں میں موجود ہیں جو قرآن شریف کے بیان کردہ اصولوں کے بالکل مطابق ہیں یوں پادریسا حیا
مجھ جھانٹتے پراونٹ نکل جاتے ہیں +

یہ دلائل الف میم اور الپن کے اعتراضوں کی تردید کے لئے کافی ہیں لیکن اس مضمون کو پورا کرنے کے لئے انکے چھوٹے چھوٹے اعتراضوں کا جواب بھی مختصر طور پر اب ہم دیتے ہیں الپن اپنے اعتراضوں کے شروع میں لکھتا ہے کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شفاعت انبیاء کے بیخلاف ہونے پر موقوف ہے اور لکھتا ہے کہ یہ امر کے نزدیک مسلم ہے کہ گذشتہ پرچہ میں الف میم کے دیباچہ کا جواب دیتے وقت ہم نے یہ واضح طور پر بیان کیا تھا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ایک ثابت شدہ امر ہے اور اس کے کلام کی عصمت پر ہمیں اور کوئی دلیل دینے کی ضرورت نہیں اصل میں اس بحث کے ختم کرنے کی ایک نزدیک راہ ہے مگر اسید وجہ سے کہ وہ نزدیک راہ ہے عیسائی اسکو اختیار کرنا پسند نہیں کرتے۔ عصمت شفاعت کا جزو ہوا اور اس کے اگر شفاعت کا ثبوت قطعی ہاتھ میں آجائے تو عصمت کو ثابت ہو جاتی ہے برعکس اسکے محض عصمت شفاعت کے لئے کافی نہیں ہے کہ کم از کم مسلمانوں کے نزدیک کیونکہ ہر ایک معصوم شفیع نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے نمونے جو اس دنیا میں آئے دکھائے پیش کئے تھے۔ اور عیسائی صاحبان سے یہ سوال کیا تھا کہ یسوع کی شفاعت کا بھی کوئی ایسا صاف نمونہ پیش کریں لیکن عیسائیوں نے اسکے برعکس طریق اختیار کیا ہوا اور اس لئے ہم بھی اسی طریق پر اب انکے اعتراضوں کا جواب دیتے ہیں۔ اسکے بعد الپن آؤم اور ڈاؤم کے تذکرہ کو لیتا ہے اور ان ہی دو مثالوں سے عصمت کے کل سوال کا فیصلہ کرنا ہے ”اگر آؤم اور ڈاؤم گنہ گار ہوں تو گنہ گار کو چاہئے کہ وہ نجات کے لئے کوئی اور ذریعہ تلاش کرے“ معلوم ہوتا ہے پادری صاحب نے اس مسئلہ پر اچھی طرح غور نہیں کیا۔ اگر یسوع کے علاوہ ایک شخص بھی ایسا ثابت ہو جائے جسکی عصمت پر عیسائی حملہ نہ کر سکیں تو انکے ہاتھ میں خاک بھی نہیں رہنی اور تعجب یہ ہے کہ یسوع کی عصمت کو ثابت نہیں کر سکتے جس صورت میں ہم قرآن شریف سے یہ دکھاتے ہیں کہ شیطان کا انبیاء علیہم السلام پر تصرف نہیں ہوا اور خدا ظالم کو نبی نہیں بناتا جس سے انبیاء علیہم السلام کی بالعموم عصمت ثابت ہوتی ہے تو اسکی تردید ایک یا دو بیوقوفوں کو لیکر نہیں ہو سکتی بلکہ یہ ثابت کرنا چاہئے کہ قرآن شریف میں ایسی آیات ہیں جن میں عام طور پر انبیاء علیہم السلام کو گنہ گاروں کی جماعت کہا گیا ہو یا یہ نہ ہو تو کم از کم انکا فرض ہے کہ جب قدر انبیاء کے قرآن شریف میں نام آئے ہیں ان سب کو گنہ گار کہا گیا ہو لیکن ان دونوں باتوں میں سے وہ کسی کو بھی ثابت نہیں کر سکتے تعجب یہ ہے کہ بھی ان لوگوں کے دلیں یہ خیال نہیں آتا کہ قرآن شریف تو کھلے لفظوں میں انبیاء کی نسبت بار بار فرماتا ہے کہ وہ خدا کے حکموں کے خلاف نہیں جانتے اور اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی تعریف کے الفاظ میں انکی تعریف کرتا ہے اور انکے اقوال اور افعال کو الہی سرشت سے نکلے ہوئے بیان کرتا ہے اور اسکے برعکس ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں اسی عمومیت سے انبیاء کو گنہ گار کہا گیا ہو یا خدا کے حکموں کو نہ ماننے والے کہا گیا ہو۔ اور جب یہ صورت ہے تو ہر طالب حق اور بے تعصب محقق

کافرض ہے کہ جہاں کسی خاص نبی کے خاص فعل کا ذکر ہے اسکے معنے کرنے میں اس طریق کو اختیار کرے جو انبیاء کی عام تعریف کے مطابق ہو۔ اسلئے ہم بار بار اس بات پر زور دیتے ہیں کہ یاد رہی صاحبان قرآن شریف سے ایک ہی ایسی آیت پیش کریں جس میں انبیاء کو عمومیت کے ساتھ نہ گار کی جماعت کہا گیا ہو اور جن تک وہ ایسی آیت پیش نہیں کر سکتے تو ایسے الفاظ کی بنا پر جنکے مختلف معنے ہو سکتے ہوں کسی خاص نبی پر حملہ کرنا اصول مناظرہ کے خلاف اور مباحثہ کی ایک سب سے اہم اور ضروری تیق کو ماننا ہے۔ اگرچہ ہم بار بار اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور ان ہمارے مضامین کی تردید بھی مخالفین نے لکھی ہے لیکن اس ضروری بات کو وہ ایسے مثال جاتے ہیں کہ گویا پیش ہی نہیں کرتے۔ اب ہم ان اعتراضوں کو لیتے ہیں جو پادری الہسن نے حضرت آدم کی عصمت پر لکھے ہیں اور چونکہ الہسن اور الفہم کے اعتراض قریباً قریب ایک ہی ہیں اور ان میں سے یا ایسے ہی بعض اعتراضات کا جواب پادری مانو کو ہم دیکھتے ہیں اس لئے ہم ان اعتراضوں کا جواب دیتے وقت الفہم کو مخاطب کر نیکی ضرورت نہیں سمجھتے مان اگر کوئی ضروری امر ایسا ہو گا جو الہسن صاحب نے پیش نہ کیا ہو تو اس وقت ہم الفہم کو جواب دینگے پادری الہسن سب سے پہلے آیت ولقد عہدنا الی آدم من قبل فہی ولم یجدلہ عزرا۔ کو لیتا ہے اسکے معنے کو نے میں وہ امام رازی کی سند پیش کرتا ہے لیکن جہاں سے وہ رازی اور انکشاف کا حوالہ لیتا ہے وہاں نسیان کے دو معنے لکھے ہیں یعنی اول ما ہو نقیض الذکر (بھول جانا) اور دوسرا ترک (چھوڑ دینا) اور دونوں نے اول الذکر معنی کو پہلے بیان کر کے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ انکو نزدیک ترجیح اول معنی کو ہوتی بھول جانا امام رازی نہیں معنی کے نیچے حسن رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ خدا کی قسم جو آدم نے خلاف ورزی حکم الہی کی نہیں کی مگر بھول جائیکے باعث اگر یہ ترجیح نہ بھی پائی جاتی تو بھی ہمارا فرض ہے کہ ہم ایسے معنی کریں جو ان آیتوں کے مخالف نہ ہوں جن میں انبیاء کو معصوم کہا گیا ہو اور علاوہ ان میں جب وہ نسیان کے معنی ترک کر دیتے ہیں تو انکی یہ مراد نہیں ہوتی کہ حضرت آدم نے گناہ کی طرح حکم الہی کی نافرمانی کی بلکہ اس وقت وہ اسے اجنبی غلطی قرار دیتے ہیں اب الہسن صاحب اس معنی کو بسا کو ترجیح دی گئی ہے ترک کر کے صرف دوسرے معنی کو پیش کرتے ہیں اور وہ بھی الٹ رنگ میں اور اس طرح ناظرین کو دھوکا دیتے ہیں علاوہ ان میں جہاں امام رازی نسیان کے یہ دو معنے دیتے ہیں وہ صرف مختصر طور پر و مختلف راؤن کا جو علما کے درمیان رہی ہیں اظہار کرتے ہیں اور مفصل بحث کے لئے سورہ بقرہ کا حوالہ دیتے ہیں اسجگہ انہوں نے ان دونوں راؤن پر مفصل بحث کی ہے پہلے وہ اس صورت پر بحث کرتے ہیں کہ حضرت آدم بھول گئے اور اس صائم کی مثال دیتے ہیں جو روزہ رکھتا ہے مگر بھول کر کھلی لیتا ہے ایسی صورت میں بھی یہ نہیں کہا جاتا کہ اس نے گناہ کیا اسکے بعد وہ دو اعتراض بیان کرتے ہیں جو ان معنی پر لکھے ہیں اور دونوں کی تردید کر کے دکھاتے ہیں کہ یہ اعتراض صحیح نہیں ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ انہیں معنی کو ترجیح دیتے ہیں یہ ہم صرف اس کو لکھتے ہیں تا الہسن

صاحب کی غلط بیانی کو ظاہر کریں ورنہ اگر امام رازی اس معنی کو ترجیح نہ بھی دیتے تاہم اس معنی کی تائید میں دلائل اس قدر بردست موجود ہیں کہ کوئی انصاف پسند بیعت ان کو رد نہیں کرے گی۔ مذکورہ بالا دو اعتراضوں میں سے پہلے اعتراض کا جواب دیتے وقت امام رازی لکھتے ہیں: ”ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ آدم اور حوئے ابلیس کی بات کو مان لیا نہ ہی یہ کہ انہوں نے اسکو صادق سمجھا۔۔۔۔۔ آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ آدم اور حوئے نے یہ کام اس وقت کیا جب ابلیس کے لفظ سنے یا بعد میں اور اس بات کا ثبوت کہ آدم جانتا تھا کہ ابلیس اس کا دشمن ہے قرآن شریف کی یہ آیت ہے ان ہذا عدو لک۔ اس کے بعد امام رازی اس پہلو پر بحث کرتا ہے کہ حضرت آدم کا یہ فعل عدا تھا اس صورت میں لسیان کے معنی ترک کے لہذا حوئے کے پھر اس میں چارہ نہ رہا بیان کے لہذا ہمیں اور ان دو کو جو آدم کی طرٹ گناہ عاید کرتے ہیں رد کیا گیا ہے۔“

”مفسر ہوا اس قدر مضمون ایک غیر ضروری بحث کیلئے ہمیں لکھنا پڑا لیکن پادری صاحبان کی غلط بیانی نے ہمیں اس طریق کے اختیار کرنے کے لئے مجبور کیا ہے۔ کیونکہ اگر ان کی غلطی کو ظاہر نہ کیا جاوے تو پھر ان کی باتیں سچی سمجھ لی جاویتی اس کے بعد عزم کے معنوں پر اعتراض کیا گیا ہے اسکا مفصل جواب پادری مانروائے مضمون میں ہم دیکھ چکے ہیں اور اسلئے اسکا دہرانا ضروری نہیں۔ فروری کے پیرچہ میں ہم سند میں پیش کر چکے ہیں کہ کیوں ہمنے وہ معنی لئے ہیں جو مان بیان کے لہذا ہمیں۔ ان اسجاء الف میم کا ایک اعتراض قابل غور ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم اولو العزم انبیاء میں سے نہ تھے یہاں سنی قسم کی ایک غلط فہمی معانی الفاظ کے متعلق ہے جیسے ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کیونکہ لفظ عزم دونوں جگہ ایک ہی معنوں میں نہیں آیا اس آیت کے متعلق کہ قاصص کہا صبرا واولو العزم من الرسل مفسرین کی دو رائیں ہیں بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد کل انبیاء ہیں اور من تبیین کے لئے ہے نہ تبیض کیلئے۔ یہ رائے دوسری رائے پر ترجیح رکھتی ہے جس کے روئے بعض انبیاء اولو العزم ہیں اور بعض نہیں اور اسلئے کہی وجوہات ہیں اول تو یہ کہ قرآن شریف کل نبیوں کا نام نہیں تاکوئی یہ کہہ سکے کہ فلان فلان نبی اولو العزم ہیں اور فلان نہیں۔ قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ مشہم من قضا علیک و مشہم من لم نقص علیک۔ یعنی بعض نبیوں کا حصہ ذکر بھی نہیں کیا۔ دوم بعض انبیاء کو اولو العزم کی تعریف میں داخل نہ سمجھنا ان آیات کے خلاف ہے جن میں کل انبیاء کی عصمت کا ذکر ہے سوئم مختلف نام اولو العزم انبیاء کے تئیں لکھ جاتے ہیں اور اس امر پر بھی اتفاق نہیں ہو سکتا کہ فلان فلان نبی ضرور اولو العزم اور دوسرے ضروری اس شریف سے خارج ہیں اسلئے احسن طریق یہی ہے کہ سب انبیاء کو اولو العزم سمجھا جاوے بلکہ عیسائیوں کو لے کر تو ایک اور شکل بھی ہے یعنی یہ کہ کم سے کم نام انبیاء کے جو اولو العزم کی فہرست میں داخل سمجھے گئے ہیں ان میں حضرت مسیح شامل نہیں ہیں اس لہذا وہ بھی حضرت آدم کی طرح انہیں میں سے سمجھے گئے ہیں جنہیں عزم نہیں پایا گیا یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنا ان میں عزم نہیں تھا چنانچہ صرف چار انبیاء اس طرح اولو العزم سمجھے گئے ہیں جو بعض کے نزدیک حضرت نوح۔ ابراہیم۔ موسیٰ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بعض کے نزدیک حضرت موسیٰ کی

بجائے انہیں حضرت ہو، شامل ہیں لیکن دونوں میں حضرت مسیح شامل نہیں ہیں حالانکہ الفہیم صاحب کے عجیب الال کے رو سے صرف وہی ایک شخص تھا جو قرآن شریف اور حدیث کے رو سے معصوم تھا لہذا بعض مسلمانوں نے حضرت مسیح کو اولوالعزم میں بھی داخل نہیں سمجھا اور اسلئے اگر حضرت آدم میں الفہیم کے معنوں میں عزم نہیں پایا گیا تو حضرت مسیح بھی اس عزم سے خالی ہیں الفہیم کی اس بحث سے ایک اور نتیجہ نیز بات پیدا ہوتی ہے اس کے نزدیک حضرت آدم حکم الہی کی نافرمانی کی اور اسلئے وہ اولوالعزم انبیاء میں سے نہ سمجھا گیا اسکا صاف نتیجہ یہ ہے کہ اولوالعزم وہی نبی ہیں جنہوں نے کبھی حکم الہی کی نافرمانی نہیں کی لیکن چونکہ قرآن کریم صاف الفاظ میں اولوالعزم انبیاء کا ذکر کرتا ہے اور اسلئے اگر الفہیم کی بات کو بھی مان لیا جاوے تو بھی بعض انبیاء تو قرآن کریم کے نزدیک ضرور معصوم ٹھہرے لیکن چونکہ رسولوں میں اس قسم کی تفریق کو قرآن شریف نے جائز نہیں رکھا اسلئے اگر بعض انبیاء معصوم ہیں تو کل معصوم ہیں اور نتیجہ الفہیم کی اپنی بحث کا ہے۔

اسکے بعد ایسن صاحب آیت لعنہ آدم ربہ فغوی کے معنی پر بحث کرتے ہیں ہم نے کبھی اس کا تہذیب کیا کہ عصیان کے معنی نافرمانی ہیں ہم تو یہ لکھا تھا کہ جہاں ایک طرف اللہ تعالیٰ نے آدم کے اس فعل کا نام عصیان رکھا ہے خود ہی یہ بھی کہہ دیا کہ وہ بھول گئے تھے قرآن شریف میں جو کھانیکی چیزوں کے متعلق ممانعت کا حکم ہے اس میں اور دوسری تو اسی میں خدا نے لعنہ نے ایک خاص امتیاز رکھا ہے انکی ممانعت کا حکم قرآن کریم پر چار جگہ ہے دو جگہ حکم کو بیان کر کے اسکے بعد یہ استثنا دیا گیا ہے فمن اضطر غیر بائع ولا عاقلان اللہ غفور رحیم۔ (دوسری جگہ ہوفان ربک غفور رحیم) یعنی جو کوئی مضطر ہو جائے لیکن حکم کو توڑ نیکی خواہش نہ رکھتا ہو اور نہ حد سے گزرنیوالا ہو تو اللہ غفور رحیم ہے۔ تیسری جگہ جہاں یہ استثنا بیان کی گئی ہے وہاں یہ لفظ ساتھ اور بڑا دئے گئے ہیں فلا اثم علیہ کہ اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اس استثنا میں یہ امر غور طلب ہے کہ قرآن شریف فرماتا ہے کہ ایسے شخص کا گناہ کوئی نہیں اور اللہ غفور ہے۔ اب اگر لفظ غفر کے معنی جیسا کہ کہا جاتا ہے گناہوں کی معافی کے سوا اور کچھ نہیں تو غفور کے معنی بھی صرف یہی ہو سکتے ہیں کہ جو گناہ سرزد ہو چکے ہیں انکا معاف کر نیوالا لیکن ان معنوں کے رو سے لفظ غفور بیان استعمال نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا ایسا خود فرماتا ہے کہ ایسے شخص کا کوئی گناہ نہیں اور جب گناہ نہیں تو معاف کیا چیز ہوگی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لفظ غفر کے معنی صرف گناہ کی معافی کے نہیں بلکہ انسانی فطرت کی کمزوری جس سے انسان گناہ میں پڑتا ہے اس سے بچانیکے بھی ہیں ورنہ اسکے کیا معنی کہ خدا اس شخص کو غفور ہے جس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اس سے استغفار کے معنوں پر روشنی پڑتی ہے لیکن اس جگہ یہ بحث ہمارا مقصود نہیں ہے۔ چوتھی جگہ اسی استثنا کو ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے فمن اضطر فی محتضنہ غیر متجاف لا اثم فالن اللہ غفور رحیم۔ جو کوئی مضطر ہو جائے بھوک سے لیکن گناہ کی طرف جھکنے والا نہ ہو تو اللہ غفور رحیم ہے اس سے بھی استغفار کے معنوں کے متعلق یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے جو اوپر بیان ہوا۔ ان استثناؤں کو ہم نے اسلئے بیان کیا ہے کہ قرآن شریف میں جہاں جہاں کھانیکی چیزوں

کی مخالفت کا ذکر ہوا ان ضرور اس استثناء کو بھی بیان کیا ہو لیکن دوسری نواہی کے ساتھ اس استثناء کو ہم گزربیان نہیں کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانسی چیزوں کے متعلق خدا تعالیٰ نے انسانی کمزوری کو مد نظر رکھ کر ایک اجازت دی ہے جو دوسری نواہی کے متعلق نہیں دی۔ اب حضرت آدم کو جو حکم تھا وہ بھی کھانسی کے متعلق ہی تھا کہ فلاں درخت کا پھل نہ کھانا لیکن ایسی صورت میں خدا تعالیٰ نے یہ فرما دیا ہے کہ جو شخص مجبوری کی حالت میں کھاتا ہو وہ گناہ کا مرتکب نہیں اگرچہ یہ بیان ہو کہ خدا تعالیٰ کی نہی کی خلاف ورزی تو اس سے ہو گئی اب بھو جاننا اگر اضطراب کی حالت سے بڑھ کر نہیں تو کم از کم اس جیسا عذر تو ضرور ہے اور اس لئے حضرت آدم کا فعل گناہ نہیں کہلا سکتا حضرت آدم کے متعلق یہ لفظ کہ وہ ایسا کرتے ہیں بلع یا عاوتھا یعنی حکم الہی کو توڑ دینے کی خواہش رکھ دیا۔ یا حد سے گزرنیوالا کہ نہیں آئے حضرت آدم کی دعا کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کی ان صفات کے مطابق ہیں۔ جو استثناء مذکورہ بالا کے بعد بیان ہوئے یعنی غفور اور رحیم کیونکہ حضرت آدم بھی یہی دعا کرتے ہیں کہ ان لم تغفر لنا وترحمنا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی صفات غفور اور رحیم سے ہی پتا ہوا کہ ان کی وہ صفات ہیں جو اس شخص کی حرکت میں آتی ہیں جو مضطر ہو کر ممنوع کھانسی کی اشیاء میں سے کوئی چیز کھا بیٹھے اس تمام تحقیقات سے ظاہر ہے کہ حضرت آدم کا فعل گناہ ہرگز نہیں کہلا سکتا۔

اعتراف کا دوسرا حصہ لفظ غوی کے معنوں کے متعلق ہے اور میں پھر یہی کہنا چاہتا ہوں کہ اس کی تردید بھی ضروری ہے میں ہو چکی ہو پس صاحب کی یہ بھی خیال ہو کہ لسان العرب میں جو غوی کے معنی تفسد علیہ عیشہ لکھے ہیں ان کو معنی ہمنو ٹھیک نہیں کیے اس میں شک نہیں کہ فساد کے معنوں میں جو اسپن صاحب نے لکھے ہیں لیکن اس لفظ کے معنی کسی قسم کا خلل واقع ہونا بھی آتے ہیں جس کے لفظ کم از کم لہجہ کی دشمنی کو دیکھا جاسکتا ہے اسپن کے نزدیک اس فقرہ کے صحیح معنی یہ ہیں کہ اس کی زندگی پاکیزگی کی حالت سے بگڑ گئی یعنی وہ ناپاک زندگی بسر کرنے لگا ایسے خیال پر قرآن شریف لعنت بھیجتا ہے اور اسپن کے الفاظ سے اس کے سوائے اور کوئی نتیجہ نہیں نکال سکتا اب ہم ان وجوہات کو بیان کرتے ہیں جن کی بنا پر ہم نے اس فقرہ کے یہ معنی لئے تھے کہ اس کو امن میں خلل آگیا جنت میں حضرت آدم رکھے گئے تھے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہوں ان لک الانجوع فیہا ولا تقری واک لا تظلموا فیہا ولا تضحی اس جنت میں ہم سمجھتے ہیں کہ یہاں نہ تو بھوکا ہو گا نہ نہ لگا اور نہ تجھے پیاس لگیگی نہ دھوپ۔ یہ آدم کی زندگی کا نقشہ ہے جو اسے جنت میں حاصل تھی اور اس میں امن کی زندگی نہ نہیں تو اور کیا کہیں اسی امن کی حالت میں جو حضرت آدم کو میسر تھی ممنوع درخت کے کھانسیے خلل آیا اور اس کو روح کی پاکیزگی یا پیری ہو کچھ متعلق نہیں بلکہ یہ زندگی کی ایک خاص حالت کا نقشہ ہے جو بعد میں جب حضرت آدم کو وہ جنت چھوڑنا پڑا مل گیا کیونکہ اس جنت سے باہر یہ آرام اس کو نہ مل سکتے تھے کہ نہ بھوک لگے نہ پیاس نہ دھوپ چنانچہ خدا تعالیٰ نے حضرت آدم کے دانہ کھانسی کا ذکر کیا ہوا ان ساتھ ہی اس کا یہ فوری نتیجہ لکھا ہے کہ فبت لہما سواہما یعنی ان کا کھانا سونا ان پر ظاہر ہو گیا اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ حضرت آدم کو فرماتا ہے فلا یخربكما من الجنة فتشعیا

نکلتا ہے کہ جہاں حضرت آدم کو اس جنت میں حاصل تھا ممنوع پھل کھانسیے اسپن خلل آگیا (باقی آئندہ)

مشیطان نہیں جنت کے دروازے سے جاسکتا ہے تو لکھتے ہیں چڑیا لگا اسی اس کے الفاظ سے لے کر حضرت آدم کو پہلے نشہ کیا تھا کہ تو لکھتے ہیں چڑیا لگا اسی اس کے الفاظ سے لے کر حضرت آدم سے ہو گیا خواہ بھول کر ہی ہو یا اس کی تمام جنت سے نکلے

حضرت اقدس کے تاکیدی ارشاد کی تعمیل کے لئے پھر یاد دہانی

رسالہ میگزین کی کثرت اشاعت و اعانت کے متعلق جو قدر سے بڑھے ہوئے پُر زور الفاظ میں حضرت اقدس ؒ نے اپنی جماعت کے پر جوش باہمت و مخلص احباب کو تاکید ایکہ فرمائی ہے وہ اس امر کی مقتضی تھی کہ اپنی جماعت کا کوئی فرد اس رسالہ کی خریداری سے محروم نہ رہتا لیکن جو تعداد خریداری ظاہر کر رہی ہے کہ حضرت اقدس ؒ کے یہ دل کو ہلا دینے والے تاکید می پُر زور الفاظ ابھی اپنی جماعت کے جملہ مخلص احباب کے کانوں تک نہیں پہنچے ورنہ اپنے مخلص احباب کی باہمت و اور پر جوش روحین جب تک رسالہ کی خریداری کو حضرت اقدس ؒ کی فرمائی ہوئی دس ہزار تعداد تک نہ پہنچا دیتیں اپنے پیارے مطاع امام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی بجا آوری میں اپنی من تن و دھن کسی قسم کی خدمت و اعانت سے فرق نہ رکھتیں۔

بلا ریب نسبتاً اب درخواست ملے خریداری کا بڑھتا شروع ہو گیا ہو مگر کمال اس میں وہ روز افزون ترقی نظر نہیں آتی جو جلد تر تعداد خریداری کو حضرت اقدس ؒ کی فرمائی ہوئی تعداد تک پہنچانے کے لئے درکار ہو لہذا ایک دفعہ پھر اپنے مخلص احباب و برادران کو حضرت اقدس ؒ کے ارشاد کی تعمیل کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے تاکہ وہ تعداد خریداری کو بڑھانے کی کوشش کے علاوہ حضرت اقدس علیہ السلام کے ارشاد کے ان تاکیدی الفاظ کو اپنے دیگر برادران کے کانوں تک پہنچانے کی بھی فرماوین تاکہ اپنی جماعت کا ہر ایک مخلص بھائی خواہ خواندہ ہو یا ناخواندہ اپنے پیارے امام صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد سے مطلع ہو کر رسالہ کی اشاعت و اعانت میں حسب استطاعت و حسب توفیق خود حصہ لیکر سابق بالخیرات بنے جو اسکے لئے باعث حصول ثواب عقبہ ہو جسٹات دارین حاصل کرنا عین موقع ہے کاش اکوئی وقت پر اس کی قدر کرنے والا ہو۔ درگاہ رب العزت سے دل سے دعا ہو کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم و رحمت غیر متناہی سے ہمہ پنی جماعت کے جمع مخلص احباب کے دل کو ایسے کاروائے خیر میں سبقت لیجائیں کی توفیق بخشے جس سے ثمرات حسہ اخروی حاصل کر سکیں۔ آمین۔ تم آمین

(نوٹ) جملہ خریداران خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھا کریں۔ نمبر خریداری نہ لکھنے کی صورت میں توقف یا عدم تعمیل کی شکایت بجا تصور ہوگی۔

منیجر

تفسیر سورہ قیامت، ج ۱، ص ۵۵ - دارالکتاب، لاہور - دارالکتاب، لاہور - دارالکتاب، لاہور

سنسنے والا چہرہ :- عمدہ صحت کا ایک اچھا نشان ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ صحت اچھی رہے اور دماغی قلبی طاقت درست رہے تو **حبوب جو اہر عنبری** کا استعمال فرمائیے جو **یا قوت مر جان** **مشک** - **عنبر** - **زمرود** - **مروارید** - **زعفران** وغیرہ قیمتی مقوی دواؤں سے خالص تیار ہوتی ہیں جن کے کھانے سے طبیعت بشاش رہتی اور خیالات خوش پیدا ہوتے ہیں۔ غم و حزن بھولے سے بھی پاس نہ رہے آنے پاتے۔ انسان کی زندگی تندرستی اور طاقت کے لئے ان سے بہتر کوئی دوا نہیں۔ تقویت اعصاب کے لئے بے مثل ہیں۔ نالوائی کی بیماریاں ان کے استعمال سے دور ہوتی ہیں۔ معدہ کو درست اور خون کو زہریلے مواد سے صاف اور تمام جسم کے اعصاب کو قوی اور مضبوط بناتی ہیں۔ وبائی بیماریوں کو روک دیتی ہیں۔ انسانی روح اور قلب سے خاص مناسبت رکھتی ہیں۔ عقل ہوش و حواس - حافظہ - ذہن و دکان کو ترقی دیتی ہیں کسل اور تکان کو زائل کرتی ہیں۔ ضعف دل کو نفع پہنچاتی ہیں **قیمت ڈبہ ۱۲ روپے**

عجیب و غریب مرہم المعروف بہ مرہم عیسے - اگر آپ دنیا بھر میں سب سے اچھا پتر تاثیر تر بہد ہر قسم کے زخموں جراثیم چوڑی گلیوں ننازیر - سرطان - طاعون اور ہر قسم کے خبیث زہریلے پھوڑوں پھینکوں ناسوروں - گنج - خارش - بواسیر اور طرح طرح کی جلد کی بیماریوں - ماحضوں کے سردی سے بچنے کے لئے جانوروں کے کاٹ لینے - جل جانے اور عورتوں کو خطرناک امراض - سرطان رحم وغیرہ کیلئے ہزار ہا سال کا مجرب قدس ہر طبقہ کو حکما کا متفقہ و بابرکت علاج چاہتے ہیں تو یہ مبارک مرہم اس کا رخصتہ مسکائیے جو اسکو خالص اجزاء سے تیار کر لیا ذمہ دار طبی جہان اسکی کامیاب تاثیرات کا ممنون ہو یہ شہور آفاق مرہم سب سے کار خیر مرہم عیسے کو دنیا بھر میں اور کہیں نہیں بنتا۔ مرہم کامیاب و سچا ہے

معجزہ جو جسے تمام جہان کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ قیمت ڈبہ ۱۲ روپے

پاکٹ کیس ادویات - اکثر جانین طبیب علاج کے بروقت نہ پہنچنے سے سخت تکلیف برداشت کرتی اور بعض وقت بحسرت ہلاک ہو جاتی ہیں اس دردناک حالت کو دیکھ کر ہم نے یہ پاکٹ کیس تیار کیا ہے اور اس میں مختلف پچاس سے زائد اکتیر الوقوع مرضوں کو علاج کیلئے وہ زود اثر نشانہ بخیطا کی طرح عمل کر نیوالی دواؤں میں بھی جنہو بڑھکر اکثری و یونانی طب اس وقت تک کچھ ثابت نہیں کر سکی یہ پاکٹ کیس ایسا بنایا گیا ہے کہ جیب میں بھی رہ سکے اور دواؤں کی مقدار سمین اس قدر ہے کہ دوا اڑھائی سو آدمیوں کیلئے کفایت کر سکیں ایک کتاب اسکے ہمراہ ہے اور ہر طرح سے ایسی آسانی کیلئے ہے کہ نہ بوجھنا والا انسان بھی اسکو سمجھ کر اور طبیعت کا کام دے سکتا ہے اور ادویہ استعمال بروقت و سوجان میں کو خطرات معلقہ ہو چکا سکتا ہے اس پاکٹ کیس کا ہر انسان پاس ہونا ضروری ہے کہ میں سفر میں جنگل میں

عمدۃ التفویہ سنہ ۱۹۷۱ء
مفت
جیکم محمد حسین اینڈ برادرز دکان کا رنچہ مرہم عیسے کو لکھنؤ اور لاہور میں
رسالہ آئینہ صحت
مفت

”ضروری استعداد“

جن جن برادران طریقت کو کسی انگریزی دوائی ٹیبلٹ یا غیر ٹیبلٹ کی ضرورت ہو یا وہ کوئی انگریزی نسخہ تیار کرنا چاہیں اور اپنی مقامی پیشین میں کسی انگریزی دوائی خانہ کو نہ ہونے کے باعث انہیں کسی اور شہر سے ادویات منگوانی

ضیاء الاسلام پریس دین میں باہتمام حکیم مولوی فضلہ رضی اللہ عنہ

پیرینہ بجا کسی اور جگہ لکھنے اور بات فراموش نہ ہونے کے لئے یہ نسخہ خانی و سنگو اینڈ کلاں میر منعمی میں انہیں کوئی نقصان نہیں اور دکان کا قاعدہ اور ایک جاکٹ کی مدد سے

مصلحتات میں غرض ہر جگہ اسکو ساتھ رکھیں قیمت ۱۲ روپے